مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

Issue.No. 1	مارچ ۲۰۰۸ء (March,2008) صفر، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ	VOL.No.3

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- ☆ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
- ☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- ☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- ☆ مولانا محمد صالح جی
- ☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- ☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا
- ☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- ☆ مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیرنگری

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.**247129**
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ........................۱۰؍روپے
سالانہ........................۱۰۰؍روپے
خصوصی ....۳۰۰۰؍روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰؍ڈالر

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
VILL& P.O.MUZAFFARABAD DISTT.SAHARANPUR (U.P) EDITOR:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

npage24\A017 not found. order\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
......اور یہ دنیا بھی جنت بن جائے گی	محمد مسعود عزیزی ندوی	
حقائق		۵
مسلمانوں کے تنزل سے......	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
سیاسیات		۸
ہنداسرائیل تعلقات پر ایک نظر	مولانا اسرار الحق قاسمی (دہلی)	
جائزہ		۱۱
ہندوستان میں نصاب کے مختلف......	مفتی محمد اللہ خلیلی قاسمی دیوبند	
تجزیہ		۱۴
خوشبو ہی خوشبو	محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)	
محاسبہ		۲۳
بارہ ربیع الاول......	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
مکتوبات اکابر		۲۵
مکتوبات مولانا سید سلمان حسینی......	محمد مسعود عزیزی ندوی	
زبان وادب		۲۸
مولانا آزاد کی تحریروں میں عربی......	مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی	
انکشاف		۳۱
مغرب کی تصوف نوازی چہ معنی دارد	مولانا سلمان نسیم ندوی لکھنؤ	
سیرت وسوانح		۳۶
حضرت حافظ شریف احمد صاحب......	منشی عبد الغفور نعمت پور، سہارنپور	
انمول موتی		۴۳
حکمت ودانائی کی انمول موتی	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۷
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
حالت حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبد الستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
¼ صفحہ //	....	۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰؍روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

E.mail: masood_azizinadwi@yahoo.co.in -------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

ادارہ

......اور یہ دنیا بھی جنت بن جائے گی

محمد مسعود عزیزی ندوی

حضرت نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر موقوف ہے، یعنی اعمال میں انسان کی جیسی نیت ہوگی، ویسا ہی اس پر نتیجہ مرتب ہوگا، جس کام کو آدمی کرتا ہے، وہ یقیناً ہوجاتا ہے، مگر آخرت کے اعتبار سے اور اجروثواب کے اعتبار سے کام کرنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس میں رضائے الٰہی مقصود ومطلوب ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر اجروثواب مرتب فرمائے گا، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کے اجسام اوران کی صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ ان کے قلوب کی کیفیت کو دیکھتا ہے، کہ وہ کس جذبہ سے اس عمل کو انجام دے رہا ہے، حسن نیت کی بنا پر ایک معمولی سے عمل پر بڑی ترقی ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے مراتب ومقام حاصل ہوجاتے ہیں اور بعض مرتبہ سوءنیت یا فقدان نیت کی وجہ سے بڑے بڑے عمل بھی اکارت چلے جاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی بہادری کی وجہ سے جہاد میں شرکت کرے، ایک حمیت وفخر کے لیے اور ایک ریاکاری اور دکھاوے کے لیے، تو ان میں سے کس کا عمل اللہ کے راستہ میں گردانا جائے گا''، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'' جس نے اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لیے قتال کیا، بس اس کا عمل اللہ کے راستہ میں شمار ہوگا''۔

بعض بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے زندگی میں کوئی بھی عمل اور کام ایسا نہیں کیا جس میں پہلے نیت نہ کی ہو، ہر معاملہ میں نیت کا استحضار کیا، اگر انسان ہر کام میں نیت کا استحضار کرلے، تو اس کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے، اس کا کھانا، پینا، رہنا سہنا، سونا جاگنا، معاشرت ومعیشت، غرضیکہ اس کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے، اللہ کے یہاں درجات کی بلندی اور اجروثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے، تاریخ میں اس طرح کے بہت سے لوگوں کے واقعات ہیں کہ انہوں نے کوئی کام کسی نیت سے کیا تو اللہ کے یہاں سے فیصلے ان کی نیت کے مطابق ہوگئے۔

دو بھائیوں کا واقعہ ہے کہ ان میں سے ایک نہایت متقی، عبادت گزار تھا اور دوسرا نہایت گنہگار، دونوں ایک ہی گھر میں مقیم تھے، عبادت گزار اوپر والی منزل میں مقیم تھا اور وہیں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا، نیچے کم اترتا، دوسرا بھائی نیچے والی منزل میں مقیم تھا، اس کے پاس سامان عیش وعشرت تھا، وہ خوب رنگ رلیاں مناتا اور موج اڑاتا، اس طرح دونوں کی اپنی اپنی زندگی تھی۔

ایک مرتبہ اس عابد کے نفس نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ زندگی کا بیشتر حصہ اللہ تعالی کی اطاعت اور بندگی میں گزرا ہے، کیوں نہ خواہشات وشہوات سے بھی کچھ لطف اندوز ہولیا جائے، اور پھر توبہ کی درخواست لے کر دربار خداوندی میں حاضر ہو جائیں گے، اللہ تعالی تو غفور ورحیم ہے ہی، معافی کا پروانہ جاری کردے گا۔

چنانچہ عابد نے دل میں پلان بنایا کہ گھر کی نچلی منزل میں اپنے گنہگار بھائی کے پاس جاتا ہوں، وہاں اس کے ساتھ لذات وخواہشات سے کچھ وقت من کو بہلاؤں گا، لطف اٹھاؤں گا اور پھر بعد میں عمر کے بقیہ حصہ میں اللہ کے دربار میں توبہ کرلوں گا اور معمول کے مطابق اطاعت وبندگی کرتا رہوں گا، اس ارادے سے وہ سیڑھی کے ذریعہ اترنے لگا۔

ادھر اس کے گناہ گار بھائی کے دل میں آیا کہ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اللہ تعالی کی معصیت ونافرمانی میں بسر کیا ہے جب کہ میرا بھائی بڑا عبادت گزار ہے، وہ تو جنت کا مستحق ہے اور میں جہنم میں ڈالا جاؤں گا، اللہ کی قسم! میں ضرور اللہ تعالی کے دربار میں اپنے گناہوں سے توبہ کروں گا، دوسری منزل پر اپنے عبادت گزار بھائی کی خدمت میں چلتا ہوں، اس کے ساتھ بقیہ عمر اللہ تعالی کی اطاعت وبندگی میں گزاروں گا، ممکن ہے کہ اللہ تعالی میری مغفرت وبخشش کا سامان کردے۔

چنانچہ یہ گنہگار اپنی خالص نیک نیتی سے اوپر والی منزل کی طرف چڑھا تاکہ کچھ نیکیاں کمالے، اور ادھر اوپر سے عابد صاحب دل میں بدنیتی لیئے اترے تاکہ اپنے دل کو لذات وخواہشات سے بہلالیں، اتفاق کی بات کہ اس عابد کا پاؤں سیڑھیوں سے پھسل گیا اور نچلے بھائی کے اوپر دھڑام سے گرا، جو اس سے ملنے کے لیے آرہا تھا، دونوں وہیں کے وہیں ڈھیر ہوگئے۔

فیصلہ خداوندی اور فرمان نبی کے مطابق عابد کو معصیت کی نیت کے لحاظ سے اٹھایا گیا اور گنہگار کو توبہ کی نیت کے مطابق اٹھایا گیا، مسلم شریف کی روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَامَاتَ عَلَيْهِ" ہر آدمی اسی نیت کے مطابق اٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت ہوئی۔

اس لیے ہمیں اپنے تمام کاموں میں نیت کا استحضار رکھنا چاہیئے، شروع شروع میں ذرا اہتمام کرنا پڑے گا، پھر عادت ہوجائے گی اور پھر زندگی کا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ اگر بیوی کے منہ میں لقمہ بھی دے، اور اس میں نیت خالص ہو تو یہ بھی صدقہ ہے، اپنے والدین کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھے، یہ بھی اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے، غرضیکہ کوئی بھی کام کیا جائے اس میں نیت ضرور کی جائے، اگر وہ سنت ہے تو سنت کی نیت کیجائے، اگر وہ مستحب ہے تو اس کی نیت کی جائے، اور اللہ کی رضا مقصود ہو، تو انشاء اللہ سارے اعمال درست ہوجائیں گے، اور یہ دنیا بھی جنت بن جائے گی۔

حقائق

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دنیا کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اگر پروردگار عالم کا ڈر نہ ہو اور آخرت میں جزاء وسزا کا تصور نہ ہو تو انسان اپنے نفس کا بندہ اور زندگی کے ہر معاملہ کو صرف اپنے دنیاوی مفادات کے پس منظر میں دیکھنے والا بن جاتا ہے، اور یہ بات بعض وقت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے خاطر دوسروں کے ساتھ حق تلفی بلکہ ظلم وچیرہ دستی کرنے سے بھی باز نہیں آتا، یہ بات قوموں کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہے اور افراد کی زندگی میں بھی نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

تاریخ انسانی میں خوف خدا اور خوف آخرت سے عاری معاشروں میں اس سلسلہ کے بڑے افسوس ناک واقعات، ظالمانہ رویئے برابر واقع ہوتے رہتے ہیں، قرآن مجید میں ایسے معاشرہ کا جہاں جہاں تذکرہ آیا ہے وہاں ان کے ظالمانہ طور وطریق کو واضح کیا گیا ہے، اوران کے بگاڑ کے تذکرہ کے ساتھ اس کی بنیادی وجہ خدائے واحد کی تابعداری سے ان کی برگشتگی ظاہر کی گئی ہے۔

فراعنۂ مصر نے اپنے انتقال کرنے والے بادشاہوں کے پہاڑ جیسے مقبرے بنانے کے لیے اپنے عوام کے ساتھ کس قدر ظالمانہ طریقہ سے سلوک کیا اور اس کی بنا پر ظلم وزیادتی کے ذریعہ اپنی عظمت کے نشانات قائم کرنے کی مثالیں پیش کیں، پھر اپنے دنیوی فائدوں کے لیے اپنی ماتحت اقلیتی قوم بنی اسرائیل کی شریف زادیوں کو اپنی کنیزیں بنائیں تاکہ ان سے بے محابہ خدمت لیں اور فائدہ اٹھائیں، اوران کے بچوں کو عمومی طور پر تہہ تیغ کرنے کا طریقہ اختیار کیا، کہ وہ بڑے ہوکر مقابلہ پر نہ آسکیں، قرآن مجید اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"یذبح ابناء هم ویستحی نساء هم" ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا''۔

دوسری طرف قوم عاد وثمود اور عمالقہ اپنی طاقت اور زوردستی کا مظاہرہ کرتے پھرتے تھے، جس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

أتبنون بکل ریع آیة تعبثون وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون واذا بطشتم بطشتم جبارین ''کہ ہر جگہ پر تم کوئی شاندار یادگار تعمیر کرتے ہو اور جس کسی پر تم طاقت کا استعمال کرتے ہو تو بڑے جبار اور قہار بن کر طاقت کا استعمال کرتے ہو''۔

قرآن مجید نے ان قوموں کا ذکر غالباً اس لیے کیا کہ آئندہ آنے والے لوگ سمجھیں کہ آئندہ بھی خدائے واحد سے برگشتہ اور آخرت فراموش قوموں کا بھی یہی وطیرہ بن سکتا ہے، لہٰذا لوگ اس کو سمجھیں اور اپنے کو باطل پسندی اور نفس پرستی سے ہٹا کر خدائے واحد کی مقرر کردہ راہ مستقیم پر گامزن کریں، ورنہ وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوں گے۔

قرآن مجید میں قوموں کے ساتھ ساتھ افراد میں اس طرح کے رویہ کی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں، جو زیادہ تر بنی اسرائیل کے افراد کی ہیں، جب ان کا شروع کا اچھا زمانہ گزر جانے کے بعد ان کے بہت سے لوگ نفس پرستی اور دنیا طلبی میں مبتلا ہونے لگے اور بددیانتی اور خود غرضی اور ناانصافی کے مرتکب ہوئے جو کہ دنیا سے ان کی نفس پرستانہ محبت والفت کی وجہ سے اور خواہش نفس کی تابعداری میں ہوا، قرآن مجید میں یہ سب باتیں محض تاریخ بتانے کے لیے نہیں دی گئیں بلکہ یہ اس لیے بیان کی گئیں کہ آنے والی قومیں اور ان کے افراد سبق لیں، اور

اپنی زندگیوں کو صحیح رخ دیں، اور وہ صحیح رخ پر پروردگار عالم کی ناراضی کے ڈر اور آخرت میں جزاء وسزا کے تصور سے جڑا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ جب انسانی معاشرہ میں خرابیاں بہت عام اور بھیانک حد تک پہنچ جاتی ہیں تو پورا معاشرہ غضب الٰہی کا شکار ہوتا ہے، اور بعض وقت اس کا اثر پورے معاشرے کی مکمل تباہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے؛ لیکن افسوس کی بات ہے کہ انسان عموماً اپنی طاقت ودولت کے نشے میں ان حقائق سے چشم پوشی کر لیتا ہے، جس کا خراب انجام اس کو بعد میں جھیلنا پڑتا ہے۔

قرآن مجید نے بہت سے واقعات اسی سلسلہ کے بیان کئے ہیں اور ان کا مقصد خدائے واحد پر ایمان رکھنے والوں کو توجہ دلانا ہے، ان میں سے بعض واقعات برسر اقتدار نسل کے ماتحت نسلوں کو دبانے اور نظر انداز کرنے کے ہیں، بعض واقعات اصحاب اقتدار کی طرف سے اپنی رعیت کے ساتھ ظلم وحق تلفی اور استحصال کرنے کی صورت میں سامنے آتے ہیں، اور بعض واقعات اہل ثروت وعظمت لوگوں کی طرف سے اپنی بے جا شان وعظمت کا مظاہرہ کرنے اور دوسروں کو اس کی خاطر پامال کرنے کے ہوتے ہیں، بعض واقعات معاشرہ میں کرپشن کے عام ہو جانے اور اپنی بے ہودگی پر جرأت کے ساتھ عمل کرنے کے ہیں اور بعض واقعات بدمعاملگی اور کاروبار میں دھوکہ دہی کرنے اور ڈنڈی مارنے کے عمل عام ہو جانے کے ہیں، ایسی قوموں کے سلسلہ میں جن میں مذکورہ بالا واقعات عام ہوئے اور ان کو سمجھانے والوں نے بہت بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے میں تبدیلی نہیں لائے، بالآخر کوئی ایسی مصیبت ان پر ڈالی گئی کہ پوری پوری نسل تباہ ہوگئی، کہیں زلزلہ سے، کہیں طوفان سے، کہیں کسی اور آسمانی اور زمینی آفت سے تباہی آئی، اور خدا کے حکموں کو پامال کرنے اور تکبر اور بیجا زور دستی اور زیادتی اختیار کرنے پر سزا دی گئی۔

آج کی دنیا میں ایسی ساری خرابیاں موجود ہیں اور بڑھتی جارہی ہیں، ان کے دور کرنے اور ان سے بچنے کی فکر کرنی مفقود ہے، انسانی معاشرہ کرپٹ ہوتا جارہا ہے، اظہار شان وشوکت کے لیے شاندار عمارتیں، مالی منفعت کے لیے غریبوں سے استحصال کے ادارے حصول اقتدار کے لیے ہر طرح کا توڑ جوڑ، طاقت وعظمت کے جھوٹے مظاہر کے اقتدار کے بل پر دوسروں کو دبانے اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے طریقے، کاروبار ولین دین میں چالاکی اور دھوکہ دہی مذہبی یا نسلی بنیاد پر جور وظلم وحق تلفی، وہ کون کون سی ایسی باتیں ہیں جو اس وقت کے انسانی معاشرے میں عام نہیں تھیں، عام ہوتی جارہی ہیں، لیکن باوجود عہد حاضر کے جمہوریت اور مساوات کے دعوؤں اور نعروں کے اور آزادئ رائے اور حریت انسانی کے اعلانات کے اکثر جگہوں پر جبر واستحصال اور حق تلفی اور کمزور کو کمزور بنائے رکھنے کا سلسلہ جاری ہے، اور بعض بعض جگہوں پر تو ظلم وتعدی کی ماقبل تاریخ کی مثالیں تازہ کردی گئی ہیں، جن کی گواہی سائبریا میں جلاوطن کیے جانے والے افراد کے حالات اور جنوبی یورپ کے اقلیتی آبادیوں کے ساتھ سفاکی برتنے اور فلسطینیوں کے ساتھ حق تلفی اور ظلم کے واقعات سے ملتی ہے، دنیا کے کئی متمدن ترین اور آزادی وجمہوریت کے دعویدار ملکوں میں گورے اور کالے کے درمیان ظالمانہ امتیاز کی مثالیں ابھی ذہنوں میں تازہ ہیں، یہ تو اجتماعی دائرے کے حالات ہیں، ان کے ساتھ ساتھ انفرادی زندگی کے دائرے میں خود غرضی، بوالہوسی، چیرہ دستی، اور بداعمالی کے حالات دنیا کے اکثر خطوں میں کھلے طریقے سے دیکھے جاسکتے ہیں، اور اس سب پر مستزاد یہ کہ خوف خدا کا فقدان اور آخرت کی جزاء سزا سے مکمل بے نیازی، صورت حال کو اور زیادہ خراب اور قابل مواخذہ بنا رہی ہے، ایسی صورت میں غضب الٰہی کا کسی وقت آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ ان میں بھی ان میں سے متعدد خرابیاں کھلے طریقہ سے دیکھی جاسکتی ہیں، یہ سب بہت ڈرنے کی اور خطرہ محسوس کرنے کی باتیں ہیں، پروردگار عالم یہ سب دیکھتا ہے، اور ان باتوں کو جو ظلم وجبر اور خدائے واحد کے احکامات سے روگردانی اور آخرت کی جزاء سزا

سے بے پرواہی کی صورت میں ظاہر ہوتی جاتی ہیں، سخت ناپسند کرتا ہے؛ لیکن اس کی طرف سے مہلت اور اصلاح کر لینے کا موقع دینے کا معاملہ ہے تاکہ خطا کار لوگ مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو درست کریں، لیکن وہ اگر مہلت سے فائدہ نہ اٹھائیں اور سمجھانے سے نہ مانیں اور اپنی اصلاح نہ کریں تو ان کے لیے پھر پکڑ اور عذاب ہے۔

اولاً رہبران اخلاق و مذہب کی ذمہ داری ہے کہ خدا کا خوف دلائیں اور آخرت کی فکر سے ڈرائیں اور حالات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دلائیں، قائدین ملک کی ذمہ داری ہے کہ بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں اور ایسی زندگی استوار کرنے کی طرف توجہ کریں جس میں امن ہو، آپسی رواداری اور ہمدردی ہو، انسانیت کی قدروں کی پاسداری ہو، اور اپنے رب واحد کے احکام کی تابعداری ہو، تاکہ ملک و ملت چین و راحت، امن و خوشحالی سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہو اور صحیح انسانی معاشرہ قائم ہو سکے۔

عمر بن عبدالعزیز اور قبر کے درمیان

ایک عبرت آمیز مکالمہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک رشتہ دار کے جنازے میں نکلے اور تدفین کے بعد لوگوں سے پرمغز خطاب فرمایا: لوگو! قبر نے ابھی مجھ کو پیچھے سے آواز دی اور کچھ کہا ہے، کیا میں تم کو وہ باتیں بتادوں؟ لوگوں نے کہا ضرور بتائیے۔

تو آپ نے فرمایا: قبر نے مجھ کو آواز دے کر کہا، اے عمر! تم کیوں نہیں پوچھتے کہ میں نے تمہارے محبوبین کے ساتھ کیا سلوک کیا؟۔

میں نے کہا کہ ضرور بتاؤ!

تو اس نے کہا کہ کفن پھاڑا، جسم چیرا، خون چوسا اور گوشت کھایا۔

پھر کہا کہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں نے جوڑوں کے ساتھ کیا کیا؟

میں نے کہا کہ ضرور بتاؤ!

تو اس نے کہا دونوں ہتھیلیوں کو دونوں پہنچوں سے، دونوں پہنچوں کو دونوں کہنیوں سے، دونوں کہنیوں کو دونوں کندھوں سے، دونوں چوتڑوں کو دونوں رانوں سے، دونوں رانوں کو دونوں گھٹنوں سے، دونوں گھٹنوں کو دونوں پنڈلیوں سے اور دونوں پنڈلیوں کو دونوں پاؤں سے کھینچ کر میں نے جدا کر دیا۔

یہ سن کر حضرت عمر رو پڑے اور فرمایا کہ بلاشبہ دنیا کی بقاء قلیل اور اس کا عزیز ذلیل ہے، اس کا جوان بوڑھا ہے، اس کا زندہ مردہ ہے، دھوکہ میں ہے وہ جس نے اس پر اعتماد کیا۔

کہاں گئے وہ باشندگان جنھوں نے بڑے بڑے شہر بسائے، مٹی نے ان کے جسموں کے ساتھ کیا کیا، کیڑوں نے ان کی ہڈیوں اور جوڑوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ دنیا میں تخت شاہی اور گاؤ تکیہ پر اپنے خدم و حشم اور اہل و عیال کے درمیان ہوا کرتے تھے، جب تم ان کے پاس سے گزرتے اور ان کو جتنی بھی آواز دیتے اور پکارتے وہ جواب نہ دیتے اور اپنی دنیوی عیش و عشرت میں مست ہوتے، لیکن اب ان سے باریک کھالوں، وجیہہ چہروں اور نازک جسموں کے متعلق دریافت کرو، کہ کیڑوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا (تو زبان حال سے وہ یہی جواب دیں گے) کہ رنگوں کو مٹایا، گوشتوں کو کھایا، چہروں کو آلودہ کیا، خوبصورتیوں کو ختم کیا، گدیوں کو توڑا، ہر عضو کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور جسموں کو پارہ پارہ کیا، تو ان سے پوچھو کہ تمہارے خدام اور نوکر وچاکر کہاں گئے تھے، تمہاری جمعیت اور مال و دولت کو کیا ہوا تھا۔

پھر حضرت عمر رو پڑے اور کہا، لوگو! دنیا کی کس چیز نے تم کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، کیا تمہارے باریک اور ریشمی کپڑوں نے، کیا عمدہ و پاکیزہ ماکولات نے یا بھینی بھینی خوشبوؤں نے، ذرا تصور تو کرو کہ کیا حال ہوگا جب تم نمناک اور کھردری مٹی پر سوئے پڑے ہوگے۔

ہائے افسوس! کس رخسار پر کیڑا نمودار ہوگا اور میرے دنیا سے نکلتے وقت ملک الموت کیا حکم الٰہی لے کر مجھ سے ملے گا، اور کیا پیغام ربانی لے کر میرے پاس آئے گا۔

چنانچہ آپ اتنا روئے کہ بات کرنا بھی مشکل ہوگیا، پھر آپ واپس آئے اور ایک جمعہ کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ (ترجمہ از الجمع: مولانا محمد نسیم ندوی)

سیاسیات

ہنداسرائیل تعلقات پر ایک نظر

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن نئی دہلی

حال ہی میں ہندوستانی خلائی تحقیقاتی ادارے ''اسرو'' نے اسرائیل کے فوجی تعاون کے مقصد کے تحت آندھرا پردیش کے جزیرہ سری ہری کوٹہ میں موجود اپنے تیش دھن اسپیس سینٹر سے اسرائیل کے مصنوعی جاسوسی سیارے کو خلاء میں پہنچایا ہے، اس مشن کی کامیابی پر ہندوستانی اور اسرائیلی عہدیداروں نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا، بھلے ہی یہ خبر اسرائیل اور ہندوستانی خلائی ادارے کے لیے باعث فخر ومسرت ہو مگر فلسطین اور عرب ممالک کے ساتھ ہندوستان کے برسوں پرانے تعلقات اور عرب ممالک کے تئیں ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے لیے تشویشناک ہے، کیونکہ اس صورت میں جہاں ایک طرف ہندوستان اور اسرائیل کے درمیان تعلقات کے مضبوط ہونے کی راہیں مزید استوار ہوتی ہیں، تو وہیں دوسری طرف فلسطین اور عرب دنیا کے ساتھ ہندوستان کی قدیم دوستی پر گہرا اثر پڑ سکتا ہے، جب کہ آزادی ہندوستان کی برسوں سے چلی آرہی خارجہ پالیسی کا تقاضہ یہ تھا کہ عالم عرب کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کو مستحکم کیا جاتا اور اسرائیل کے ساتھ دوستی کی راہیں ہموار نہ کی جاتیں مگر موجودہ حکومت نہ جانے کیوں ملکی تقاضوں کو پس پست ڈال کر عارضی فائدوں کے لیے دوستوں کے ساتھ دشمنی اور دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے پر عمل پیرا ہے، کہا جارہا ہے کہ اسرائیل کے جاسوسی مصنوعی سیارے کو خلا میں پہنچانے کی مدد کے عوض ہندوستان کو سیٹلائٹ لانچنگ کی بین الاقوامی مارکیٹ میں اہم حصہ ملنے کی توقع ہے، اسرائیل کے ساتھ ہندوستان کا یہ کوئی پہلا معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ ماضی میں بھی دونوں ممالک کئی اہم پروجیکٹ پر کام کر چکے ہیں، یہاں تک کہ دفاعی سطح پر بھی دونوں ممالک کے مابین مختلف قسم کے معاہدے بھی ہوئے ہیں، ہندوستان اور اسرائیل کے درمیان تعلقات کا یہ سلسلہ اگر چہ دو دہائیوں سے جاری ہے تاہم گزشتہ ایک دہائی کے دوران ان تعلقات میں زیادہ گرمجوشی نظر آئی ہے، ایسا لگتا ہے کہ اگلے سالوں میں دونوں ممالک کے درمیان تعلقات اور زیادہ مستحکم ہوجائیں گے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ اسرائیلی جارحیت آئے دن شدت اختیار کررہی ہے اور ہندوستان کی موجودہ حکومت انسانی حقوق کے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں لگی ہوئی ہے، تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اسرائیل غزہ پٹی کے گرد شکنجہ کسے ہوئے ہے، 15/لاکھ انسانوں کی زندگیوں کو مفلوج کرنے کے لیے اسرائیل نے غزہ کی ناکہ بندی کر رکھی ہے، بجلی، ایندھن اور دوائی پہنچنے کے تمام راستے بند کردئے گئے ہیں، بجلی کاٹ دینے کی وجہ سے پورا شہر تاریکی میں ڈوب گیا ہے، فیکٹریاں اور کارخانے بند ہوگئے ہیں، اور اسپتالوں کا نظام ٹھپ ہوکر رہ گیا ہے، یہاں تک خود اقوام متحدہ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''غزہ کے 15/لاکھ لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے'' اس صورت حال نے جس بحران کو جنم دیا ہے اس پر ساری دنیا فکرمند ہے، جگہ جگہ اسرائیل کی اس سفاکیت کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے جارہے ہیں، بعض حکومتیں بھی اسرائیل کے بربریت پر مبنی اس اسرائیلی اقدام کی پرزور مذمت کررہی ہیں، لاکھوں انسانوں کو بے شمار خطرات سے دوچار کردینے والے اس سنگین صورت حال سے نہ صرف مشرق وسطی میں کہرام مچا ہوا ہے، بلکہ اس کی

گونج دنیا کے دور دراز ممالک میں بھی سنی جارہی ہے، ایسے حالت میں ہمارے ملک کو بھی اسرائیل کی پرزور مذمت کرنی چاہئے تھی ،لیکن حکومت کی جانب سے اسرائیل کی مذمت کرنے کی بجائے فوجی معاملات میں اس کا تعاون کر کے تعلقات کو استحکام دیا جارہا ہے، غور طلب ہے کہ اسرائیل نے خلاء میں جو سیارہ چھوڑا ہے اس کا مقصد نہ صرف عرب ملکوں کی سرحدوں پر ہونے والی کسی بھی نقل وحرکت پر نظر رکھنا ہے، بلکہ ایران کے ایٹمی مراکز کی تصویریں بھی لینا ہے، گویا کہ ہماری حکومت اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان برسہابرس سے جاری لڑائی میں اسرائیل کا تعاون کر رہی ہے، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر ترقی پسند اتحادی حکومت کو اسرائیل کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہے؟۔

ترقی پسند اتحادی حکومت خارجہ سطح پر جس روش پر چل رہی ہے، اس کا گہرائی کے ساتھ تجزیہ کیا جائے تو اس جواب کو تلاش کیا جاسکتا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ پینگیں بڑھانے میں ہماری موجودہ حکومت اتنی سنجیدہ کیوں ہے؟ دراصل موجودہ حکومت امریکہ کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کرنے میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے، اور وہ امریکہ سے دوستی مضبوط کرنے کا کوئی بھی موقع گنوانا نہیں چاہتی ، گذشتہ سال ایران کے خلاف ہندوستان کی ووٹنگ کو بھی اسی پس منظر میں دیکھا جاسکتا ہے،اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امریکہ کا تعلق اسرائیل کے ساتھ کافی قدیم ہے بلکہ ارض فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرانے میں بھی امریکہ نے گھناؤنا کردار ادا کیا ہے، اس کے بعد اسرائیل کو طاقتور بنانے میں بھی امریکہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، بعض رپورٹوں کے مطابق اسرائیل ایٹمی طاقت سے لیس ہے لیکن امریکہ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں جب کہ ایران کی ایٹمی تنصیبات کے خلاف وہ شروع سے ہی واویلا مچارہا ہے، اسرائیل کے ساتھ امریکہ کی یہ ہمدردی امریکہ نواز ممالک سے بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ بھی اسرائیل کے ساتھ تعلق رکھنا مجبوری ہے، یا وہ شوق سے اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط کر رہی ہے؟ بظاہر توقع تو یہی کی جاسکتی ہے کہ ترقی پسند اتحاد والی حکومت اسرائیل کے ساتھ کسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلقات کو آگے بڑھا رہی ہے، لیکن اس بات کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ بغیر کسی دباؤ کے بخوشی اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کیے جارہے ہوں، اس کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں ہر چہار جانب ترقی کی گونج سنائی دے رہی ہے، اور ایسے طریقے اختیار کیے جارہے ہیں جن کی بنیاد پر ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو، گزشتہ چند سالوں کے دوران ملک کی ترقی کی رفتار میں جس قدر اضافہ ہوا ہے اسے دیکھ کر بھی ایسا لگتا ہے کہ اگلی چند دہائیوں میں ہندوستان ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہوجائے گا، ملک کو ترقی یافتہ بنانے کی سرکار اور عوام کے اس جذبہ کو جس قدر سراہا جائے کم ہے، مگر بہت جلد ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے ہر قدم وطریقہ کو ملک کے مستقبل کے لیے کسی بھی طرح نہیں سراہا جاسکتا۔

ملک کی سرکاروں کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ترقیات کے لیے مکمل طور سے مغرب کی اقتداء کرنا ایک خطرناک رجحان ہے، جہاں تک بات ٹیکنالوجی ، سائنس اور اہم ترین وسائل کی فراہمی کی ہے تو اس معاملہ میں تو دوسرے ممالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن اگر ترقی کے دلفریب خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اخلاقی، سماجی، تہذیبی، دفاعی اور فکری معاملات میں بھی مغرب کی تقلید کی جائے تو یہ ملک کے لیے انتہائی ضرررساں ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان جیسے تہذیبی ملک میں جنسی تعلیم کو اسکولوں وکالجوں میں لازمی مضمون کے تحت پڑھائے جانے کی بات زور شور کے ساتھ سامنے آرہی ہے، جو ملک کی نسل نو کے لیے زہر قاتل ہے مگر اس کے باوجود سرکار جنسی تعلیم کو رائج کرنے میں دلچسپی لیتی نظر آتی ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح ملک کی ترقی کے لیے امریکہ کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کرنے میں ہماری سرکاریں سرگرم ہیں ، اسی طرح سے بعض ظاہری فائدوں کو دکھتے ہوئے وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں بھی دلچسپی لے

رہی ہوں، مگر دوررس نتائج کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ حکومت ہنداسرائیل کے ساتھ تعلقات کو تو استوار کرے اور عرب ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو کمزور کرے۔

ہندوستان کو اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو آگے بڑھانے سے پہلے ایک بار پھر نظر ثانی ناگزیر ہے، کیونکہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں بے شمار نقصانات ہیں، جن میں سے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ ہندوستان کے عرب ممالک کے ساتھ تعلقات میں کمی واقع ہوسکتی ہے، کون نہیں جانتا کہ عرب ممالک اور اسرائیل کے درمیان شروع سے ہی معرکہ آرائی جاری ہے اور مشرق وسطی میں اسرائیل کی سازشوں سے پورا عرب سرد جنگ جیسے حالات کا سامنا کر رہا ہے، اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا ایک نقصان عالمی سطح پر ہندوستان کو اس کی شبیہ کی بگاڑ کی صورت میں ہوسکتا ہے، اس لیے کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسرائیل ایک دہشت پسند ملک ہے، جب کہ بیرون دنیا میں ہندوستان کے تئیں مثبت خیالات پائے جاتے ہیں، ملک کی اس شبیہ اور عربوں کے ساتھ دیرینہ تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی اور اندرا گاندھی نے اسرائیل کو کبھی منہ لگانا پسند نہ کیا یو پی اے حکومت کو چاہئے کہ وہ ملک کی سماجی، تہذیبی، فکری اور سیاسی ساکھ کو بچانے کے لیے سرگرم عمل ہو اور اسرائیل وامریکہ کے دام فریب سے ملک کو محفوظ رکھے۔

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔ (ادارہ)

مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی ایک نئی پیشکش

مکتوبات اکابر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے روح رواں حضرت مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے نام بیس بزرگوں کے خطوط آئے تھے، جن کو مولانا موصوف نے ایک جگہ جمع کرکے ''مکتوبات اکابر'' کے نام سے شائع کر دیا ہے، خطوط کو نقل کرتے وقت صاحب مکتوب بزرگ سے کیسے ربط وتعلق ہوا، پھر ان سے خط وکتابت کیسے ہوئی، ہر خط کا پس منظر اس کے بعد صاحب مکتوب کے مختصر حالات نقل کئے ہیں، جس سے یہ کتاب قاری کے لیے دلچسپ قابل مطالعہ واستفادہ ہوگئی ہے، طلبہ اور بزرگوں سے تعلق رکھنے والوں کے لیے ایک شاہکار رہنما کتاب اور نادر تحفہ ہے، اس کتاب میں جن بزرگوں کے خطوط ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

❁ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ ❁ حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ ❁ حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ ❁ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ❁ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ ❁ حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ❁ حضرت محی السنہ مولانا شاہ محمد ابرار الحق ہردوئیؒ ❁ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ ❁ حضرت فدائے ملت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ ❁ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ ❁ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہریؒ ❁ حضرت مولانا عتیق احمد دہلویؒ ❁ حضرت شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندویؒ ❁ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ❁ حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی ❁ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاں ❁ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری ❁ حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری ❁ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری ❁ حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی۔

اس کتاب کو مولانا موصوف نے ایک نئے انداز میں ترتیب دیا، جیسے موتیوں کو لڑی میں پرونے میں ترتیب کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے، اس طرح اس کتاب میں بزرگوں کو نگینہ کی طرح سجادیا ہے۔

دراصل اس مجموعہ خطوط کو پڑھ کر دل میں بزرگوں اور اکابر سے تعلقات قائم کرنے کا حوصلہ وجذبہ پیدا ہوگا، مزید یہ کہ بزگوں سے روحانی تعلقات کے قائم کرنے سے دنیا میں دین کا کام کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے، مولانا موصوف کی یہ بہت بڑی پونجی ہے، جس کو انہوں نے اپنے طالب علمی کے زمانے سے سنبھال کر رکھا ہے، اللہ تعالی مولانا موصوف کو مزید اور کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اس کتاب کی قیمت ۵۰/روپئے ہے، پیشگی رقم بھیجنے والوں کو صرف ۲۵/روپئے میں دیجائے گی، ڈاک خرچ ناشر کے ذمہ ہوں گے۔ (مبصر: حمیداللہ قاسمی)

جائزہ

ہندوستان میں نصاب کے مختلف ادوار اور دارالعلوم دیوبند کا نصاب تعلیم

مفتی محمد اللہ خلیلی قاسمی، ویب ایڈیٹر دارالعلوم دیوبند

تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے سرزمین عرب کی کفروشرک اور جہالت و وحشت بھری تاریک فضا میں جو روشنی دکھائی وہ علم کی روشنی تھی، اسلام نے روز اول ہی سے علم کی اہمیت پر زور دیا اور مسلمانوں کو تعلیم جیسی دولت بے بہا کو حاصل کرنے کی تاکید کی، ابتدائے عہد اسلام میں جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطہ نازل ہونے والا الٰہی فرمان اور دربار نبوت سے صادر ہونے والے الفاظ واعمال یعنی قرآن وحدیث ہی مسلمانوں کے نظام تعلیم کا نصاب تھا، قرآن کی موقعہ بہ موقعہ نازل ہونے والی آیات کو لکھنے، پڑھنے اور یاد کرنے کا خاص التزام کیا جاتا تھا، حدیث کے مذاکرہ کا رواج تھا، کچھ صحابہ حدیث کو لکھنے کا بھی اہتمام کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیقی دور خلافت میں قرآن کریم کی تدوین کی طرف توجہ ہوئی اور اسے ایک مصحف میں نہایت اہتمام کے ساتھ جمع کیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور اسلام عرب سے نکل کر بلاد عجم تک پہنچ گیا اور نت نئی تبدیلیاں واقع ہونے لگیں، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جملہ شعبہائے حیات اور خصوصاً شعبۂ تعلیم میں زبردست انقلابی تبدیلیاں کیں اور ترقیات کی بنیاد ڈالی۔

پہلی صدی ہجری میں احادیث مبارکہ کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اس کے بعد کی دو صدیاں تدوین وایجادات کی صدیاں ثابت ہوئیں، خلافت اسلامیہ کے بعد عباسی ادوار میں اسلام دنیا کے متمدن علاقوں تک پہنچ چکا تھا، دین اسلام کے بڑھتے دائرہ اور نت نئے مسائل و واقعات کے پیش نظر حرفتوں، علوم اور فنون کی تدوین وایجاد شروع ہوئی، قرآن وحدیث کے معانی ومطالب کو سمجھنے کے لیے عجمیوں کو نحو و صرف جیسے علوم کی ضرورت ہوئی اور یہ علوم ایجاد ہوئے، ادباء وعلمائے نحو پیدا ہوئے، ترقیات کی کثرت اور عالم اسلام کی وسعت کے لحاظ سے نئے مسائل وحالات پیدا ہوتے رہے اور علماء وفقہاء کی ایک بڑی تعداد قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مسائل وحالات کے حل نکالنے میں مشغول ہوئی، اس طرح فقہ واصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی اور تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، صرف ونحو، اسماء الرجال اور تواریخ ومعاجم کے متعلق علوم کی کتابیں لکھی جانے لگیں، اس وقت تک مساجد اور درسی حلقات کے بنیادی نصاب میں یہی قرآن وحدیث اور اس سے متعلق علوم نصاب کا جز رہے، پانچویں صدی میں امام غزالیؒ نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہونے والے اسلام مخالف افکار ونظریات کے رد میں علم کلام کی بنیاد ڈالی جس سے اسلامی فلسفہ اور منطق کا جنم ہوا، یہ علوم اس وقت اور اس کے بعد کے تقریباً تمام ہی عالم اسلام کے خطوں میں مشترک تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مختلف اسباب ووجوہات کی بنیاد پر مختلف علاقے مختلف علوم کے ساتھ مشہور ہوتے گئے؛ جیسے عرب کے علاقے میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور اسماء الرجال جیسے علوم سے زیادہ شغف رہا، اسلامی اندلس میں تاریخ، ادب اور شاعری زیادہ مرغوب رہی جب کہ ایران کے لوگ منطق وفلسفہ سے دلچسپی میں ہمیشہ ممتاز رہے، اسی طرح خراسان وماوراء النہر (وسط ایشیا) میں بعد کی صدیوں میں فقہ، اصول

فقہ اور تصوف کا خوب رواج رہا۔

ہندوستانی مسلمانوں کا نصاب تعلیم:

گو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد پہلی صدی ہجری میں ہی ہو چکی تھی اور پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے سندھ و پنجاب کو زیرنگیں کرلیا تھا لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی ابتدا دراصل چھٹی صدی کے اخیر میں قطب الدین ایبک کے دور سے ہوئی، یہ وہ زمانہ تھا جب وسط ایشیا کے مسلمان تفسیر وحدیث کے ساتھ صرف و نحو، بلاغت و ادب اور کلام وتصوف کو بھی اہمیت دینے لگے تھے، چونکہ ہندوستان میں ان علاقوں کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آئی تھی چنانچہ فطری طور پر ان کے ساتھ یہ ذوق ہندوستان منتقل ہوا اور یہیں سے ہندوستانی نظام تعلیم کی بنیاد پڑی، مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی لکھنوی نے اپنے ایک مقالے 'ہندوستان کا قدیم نصاب درس اور اس کے تغیرات' میں قدیم ہندوستانی نصاب تعلیم کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے، ذیل میں اسی بنیاد پر کچھ ہندوستانی نصاب تعلیم کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

پہلا دور:

اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری سے سمجھنا چاہیے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہوگیا تھا، کم و بیش دو سو برس تک اِن فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی: صرف، نحو، ادب، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، اس طبقے کے علماء کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علم فقہ معیار فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور حدیث میں مزید درک و مہارت کے لئے مصابیح آخری کتاب تھی، اس زمانے کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں وہ فاتحین ہند کے مؤثر اور نکھرے ہوئے مذاق کا نتیجہ تھیں، ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بساط جن لوگوں نے بچھائی وہ غزنی اور غور سے آئے تھے، یہ وہ مقامات تھے جہاں فقہ اور اصول فقہ کا ماہر ہونا علم وفن کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا اور ان ممالک میں فقہی روایات کا پایہ بہت بلند تھا۔

دوسرا دور:

نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے دہلی سلطان سکندر لودھی کے دربار میں آئے اور انھوں نے سابقہ معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضدالدین کی تصانیف ''مطالع ومواقف'' اور علامہ سکاکی کی ''مفتاح العلوم'' نصاب میں داخل کیں، اس دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف اور علامہ تفتازانی کے شاگردوں نے مطول مختصر المعانی اور تلویح وشرح عقائد نسفی کو رواج دیا، نیز اس زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح جامی داخل نصاب کی گئیں، اس دور کے آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علمائے حرمین شریفین سے علم حدیث کی تکمیل کرکے علم حدیث کو فروغ دینے کی کوشش کی، ان کے بعد ان کے فرزند شیخ نورالحق نے بھی درس حدیث کی اشاعت کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوسکی، اس طبقے کے علمائے کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضدالدین کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابیں تھیں۔

تیسرا دور:

دسویں صدی کے اخیر میں میر فتح اللہ شیراز (ایران) سے ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو عضدالملک کا خطاب دے کر پذیرائی کی، انہوں نے سابق نصاب درس میں کچھ معقولی کتابوں کے اضافے کئے اور انھیں کے زیر اثر ہندوستانی نصاب میں ان کا رواج ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو اس دور کے سب سے آخری مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے، حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں چودہ ماہ قیام فرما کر علم حدیث کی تکمیل کی اور ہندوستان آکر اس سرگرمی سے اس کی اشاعت کی کہ جس کے اثرات آج تک باقی ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے اخلاف نے صحاح ستہ کے درس و تدریس کو اپنی سعی وکوشش سے جزو نصاب بنادیا، شاہ صاحبؒ نے ایک نیا نصاب درس بھی مرتب کیا تھا مگر چونکہ اس زمانے میں علم کا مرکز دہلی

سے لکھنؤ منتقل ہو چکا تھا، نیز ہمایوں اور اکبر کے زمانے میں ایران سے جو نیا تعلق ہوا تھا، اس نے بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر پیدا کر دیا تھا، مغل دربار کے ایرانی امراء اور علماء کے ذریعے منطق اور فلسفہ کو آہستہ آہستہ دوسرے علوم پر فوقیت حاصل ہوتی گئی اس لیے شاہ صاحبؒ کے نصاب کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔

چوتھا دور:

چوتھا دور بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوا، اس کے بانی ملا نظام الدین سہالوی لکھنویؒ تھے جن کا مرکز فرنگی محل لکھنؤ تھا، درس نظامی کے نام سے جو نصاب آج مدارس عربیہ میں رائج ہے وہ ان ہی کی یادگار ہے، ملا نظام الدین نے دور سوم کے نصاب میں اضافہ کر کے ایک نیا نصاب مرتب کیا اور اس دور میں پڑھائی جانے والی کتابوں کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی، درس نظامی میں تیرہ موضوعات کی تقریباً چالیس کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں مشکوۃ المصابیح داخل تھی، انھوں نے ریاضی اور فلکیات کی کئی کتابیں اور ہندسہ (انجینئرنگ) پر بھی ایک کتاب شامل نصاب کی، اس میں طب، تصوف اور ادب کی کوئی کتاب شامل نہیں تھی اور منطق وفلسفہ کو خاصی جگہ دی گئی۔

تیرہویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں علم کے تین مرکز قائم تھے؛ دہلی، لکھنؤ اور خیر آباد، گو نصاب تعلیم تینوں کا قدرے مشترک تھا، تاہم تینوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف تھے، دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان کتاب وسنت کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس میں ہمہ تن مشغول تھا، یہاں تفسیر وحدیث پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی، علوم معقولہ کی حیثیت ثانوی درجے کی تھی، لکھنؤ میں علمائے فرنگی محلی پر ماوراء النہر کا ساتویں صدی والا قدیم رنگ چھایا ہوا تھا، فقہ اور اصول فقہ کو ان کے یہاں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں صرف مشکوۃ المصابیح کافی سمجھی جاتی تھی، خیر آبادی مرکز کا علمی موضوع صرف منطق و فلسفہ تھا اور یہ علوم اس قدر اہتمام سے پڑھائے جاتے تھے کہ جملہ علوم کی تعلیم ان کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ مدارس کا نصاب:

۱۸۵۷ء کے تاریخی حادثۂ انقلاب میں تقریباً ملک سے ساری نامور درس گاہیں برباد کر دی گئیں اور خصوصاً ملک کا شمالی حصہ جو اس تحریک کا مرکز تھا اور دینی علوم وفنون کا گہوارہ تھا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، اس واقعہ کے تقریباً دس سال بعد جب دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد پڑی، اس کے نصاب میں ماضی قریب کے تینوں علمی گہواروں؛ دہلی، لکھنؤ اور خیر آباد، کی خصوصیات کو جمع کیا گیا، اس طرح اس میں درس نظامی کو بنیاد بناتے ہوئے صحاح ستہ کو شامل کیا گیا، دارالعلوم دیوبند کا یہی نصاب تعلیم تقریباً ڈیڑھ صدیوں سے ہندوستان کے اکثر مدارس میں مروج ہے، دیوبند نے ان علوم کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ ترقی دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا، اس نصاب کی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علم میں امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا لحاظ اس میں زیادہ رکھا گیا ہے، اگر چہ اس نصاب کی تحصیل کے معاً بعد کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا، مگر یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ طالب علم محض اپنے مطالعہ اور محنت سے جس فن میں چاہے کمال پیدا کر لے۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر چلنے والے مدارس میں فضیلت تک تقریباً تیس موضوعات کی پچاس سے زیادہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان موضوعات میں تفسیر وترجمۂ قرآن، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، نحو وصرف، معانی وبیان وبلاغت، منطق وفلسفہ، تاریخ و تصوف، عقائد وادب اور تجوید وغیرہ جیسے علوم پڑھائے جاتے ہیں، ابتدا کی چند کتابوں کو چھوڑ کر ساری کتابیں عربی زبان میں ہیں، دورۂ حدیث کے بعد طالب علم کے ذوق وشوق اور اس کی صلاحیت کے مطابق اسے تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ وفتاوی یا ادب عربی میں سے کسی ایک فن میں تخصص کی سہولت مہیا کی جاتی ہے اور اس سلسلے میں اس کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ ﴿بقیہ صفحہ ۴۶ پر﴾

تجزیہ

خوشبو ہی خوشبو

محمد زکریا ورک کنگسٹن کینیڈا

خوشبو اور یادداشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے، خوشبو کا ایک جھونکا دماغ میں بجلی کی رفتار سے بہت پرانی یا بچپن کی یادوں کے چراغ روشن کر دیتا ہے، سخت گرمیوں کے دن اور بارش کا پہلا قطرہ مٹی میں گر کر جو خوشبو پیدا کرتا ہے وہ چشم تصور کے سامنے ایک البیلا منظر پیدا کر دیتا ہے، چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو گویا یادوں کی بارات والا منظر اجاگر کر دیتی ہے، ماں کی ممتا سے پوچھیں اسے اپنے بچے کی پہچان خوشبو سے کس قدر ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ خوشبو والی یادداشت دماغ میں سب سے زیادہ دیر تک رہتی ہے۔

خداوند کریم نے انسان کو ایک ہزار قسم کی مختلف خوشبوئیں پہچاننے کی استعداد سے نوازا ہے، تجربات سے یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ بچے خوشبو سونگھنے سے یہ بتلا سکتے ہیں کہ فلاں قمیص ایک مرد نے پہنی تھی یا عورت نے، کسی چیز کی مثال دینا ذرا مشکل ہوتا ہے مگر خوشبو کی مثال الفاظ میں بیان کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے، بعض خوشبوئیں میٹھی اور بعض کھٹی ہوتی ہیں، محسوس کرنے کیلئے چھونا اور کسی چیز کی آواز سننے کیلئے کان کا ہونا ضروری ہے، جبکہ سونگھنے کیلئے صحت مند ناک کا ہونا از حد ضروری ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کو جب زکام لاحق ہوتا ہے تو ناک بند ہونے سے نہ صرف غذا بے ذائقہ محسوس ہوتی ہے؛ بلکہ وقتی طور پر انسان سونگھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

انسان کا سانس جڑواں ہوتا ہے ماسوا دو موقعوں پر جب یہ صرف ایک دفعہ آتا ہے، یعنی بوقت پیدائش اور بوقت مرگ، پیدائش کے وقت سانس اندر جاتا ہے اور موت کے وقت سانس باہر نکلتا ہے، ہم دن میں تیئس ہزار چالیس مرتبہ سانس لیتے ہیں، ایک سانس لینے کیلئے پانچ سیکنڈ کا وقت درکار ہوتا ہے، دو سیکنڈ اندر لے جانے کیلئے اور تین سیکنڈ باہر نکالنے کیلئے، سانس نکالنے اور اندر لے جانے کے عمل کے دوران ہم خوشبو سونگھ لیتے ہیں، خوشبو ہمارے ارد گرد فضا میں معطر رہتی ہے اور بعض لوگ بدبو کو چھپانے کیلئے اپنے اوپر خوشبو لگا لیتے ہیں۔

خوشبوئیں اتنی قسموں کی ہیں کہ ان کی پہچان جب مشکل ہو جاتی ہے تو ہم ان کو بیان کرنے کیلئے الفاظ کا سہارا لیتے ہیں، جیسے Delightful, Hypnotic, Sweet, Enchanting, Disgusting, Revolting, Intoxicating, Sickening. فرانس کا بادشاہ نپولین اور اس کے دل کی دھڑکن جوزفین کو جملہ پھولوں میں سے گل بنفشہ یعنی وائیولیٹ کے بہت دلدادہ تھے، جوزفین دن میں کئی بار اپنے جسم پر وائیولیٹ کے پرفیوم کا سپرے کرتی تھی جو رفتہ رفتہ اس کا ٹریڈ مارک بن گیا، ۱۸۱۴ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو نپولین نے اس کی آخری آرامگاہ پر بنفشہ کے پھول لگائے تھے، جب زندگی میں آخری بار اس کو جزیرہ سینٹ ہیلینا St.Helena کے زندان میں ڈالا گیا تو اس نے جوزفین کی قبر کی آخری بار جب زیارت کی تو وہاں سے چند پھول اتار کر گلے میں ہار بنا کر ڈال لئے تھے، اس ہار کی متاع عزیز کو اس نے زندگی کے آخری سانس تک گلے میں پہنے رکھا۔

بنفشہ کے پھولوں سے جو پرفیوم بنتا ہے وہ بہت مہنگا ہوتا ہے صرف متمول لوگ ہی اس کو خرید سکتے ہیں، اس کی خوشبو زیادہ دیر تک نہیں رہتی ہے، پرانے زمانہ میں یہ پھول ایتھنز شہر کا سرکاری نشان تھا، یاد رہے کہ

سونگھنے کی حس انسان میں سب سے زیادہ طاقتور حس ہے، ہمارے ناک کے اندر ایسے receptor cells ہوتے ہیں جن کی تعداد پانچ ملین ہوتی ہے، یہ سیل دماغ کے اندر خوشبو کے مرکزی مقام olfactory bulb سے impulses برق رفتاری سے بھیجتے ہیں، یہ خلیئے صرف ناک کو ہی خاص عطا کئے گئے ہیں، دماغ کے اندر ایک نیوران اگر مر جائے تو اس کا احیائے ثانی نہیں ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر کان یا آنکھ کے اندر نیوران مر جائیں تو وہ دوبارہ جنم نہیں لے سکتے؛ لیکن اس کے برعکس ناک کے اندر نئے نیوران ہر تیس دن بعد جنم لیتے رہتے ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی شخص کا نام یاد رکھنا یا اسے پہچاننا قدرے آسان ہو جاتا ہے، اس نسبت سے کہ وہ کس قسم کی وہ خوشبو لگاتا ہے، پاکستان اور بھارت کے ممالک میں گلاب کا عطر جو لگاتے ہیں رفتہ رفتہ وہ انکی پہچان بن جاتا ہے، اسی طرح امریکہ کینیڈا کے دفاتر میں جو خواتین Poison خوشبو لگاتی ہیں وہ انکی پہچان بن جاتا ہے۔

ایک مخصوص خوشبو کے ساتھ وابستہ یادداشت شارٹ ٹرم میموری کے خانہ میں مقید نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ لانگ ٹرم میموری کا اس سے مضبوط تعلق ہے، جب ہم کسی کو پرفیوم تحفہ کے طور پر دیتے ہیں تو گویا ہم اس کو liquid memory کا لازوال تحفہ دیتے ہیں، برطانیہ کے ایک مشہور مصنف جس نے ایک زمانہ لاہور میں ایک اخبار کے ایڈیٹر کے طور پر گزارا تھا، یعنی رڈیارڈ کپلنگ اس نے کیا خوب کہا ہے Smells are surer than sights, and sounds to make your heart strings crack۔

میکسیکو ملک کے Tzotzil قوم کے باشندے اپنے دیوتاؤں کی رضا کیلئے خوشبودار موم بتیاں اور اگر بتیاں جلاتے ہیں، جبکہ امریکہ میں مقامی ریڈ انڈین ڈکوٹا قوم کے باشندے سویٹ گراس اپنے دیوتاؤں کیلئے جلاتے ہیں، بھارت میں مندروں کے اندر اگر بیتاں جلائی جاتی ہیں، ملیشیا کے جزائر کی ایک قوم Chewong کے لوگ روحوں سے بات چیت کرنے کیلئے خوشبو استعمال کرتے ہیں، کولمبیا کے ملک میں Desana قوم کے لوگوں کا مذہبی شان اس نوجوان لڑکی پر خوشبودار تمبا کو کو دھواں پھینکتا ہے جس کو حیض آنا شروع ہوتا ہے، عرب ممالک میں دعوت کے بعد مہمانوں کو خوشبو لگائی جاتی ہے، خاص طور پر عورتوں میں خوشبو کی بوتلیں تقسیم کر دی جاتی ہیں اور وہ جسم کے مختلف حصوں پر خوشبو لگا لیتی ہیں، اس لئے جب کسی سے خوشبو آئے تو سوال کیا جاتا ہے تم کس سے مل کر آئے ہو؟ سوڈان کے ملک میں دولہن اور دوسری عورتوں کو تقریب کے بعد گویا خوشبو میں نہلا دیا جاتا ہے۔

نارتھ امریکہ میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ Peppermint جیسی خوشبو کے استعمال سے انسان میں کام کیلئے انرجی آجاتی ہے، یہاں بعض آفس بلڈنگ ایسی تعمیر کی جاتی ہیں جن میں تازہ ہوا کیلئے کھڑکیاں نہیں کھول سکتے اور ہوا کوری سائیکل کیا جاتا ہے، یا کارپٹ میں سے کئی قسم کے کیمیکل خارج ہوتے ہیں جس سے لوگ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جیسے تھکاوٹ، آنکھوں کا جلنا، کانوں میں جلن وغیرہ، اس چیز کا نام sick building syndrom ہے، ایسی عمارتوں میں کام کرنیوالے لوگ خوشبو سے بہت بری طرح متاثر ہوتے، اس لئے ایسی عمارتوں میں خوشبو لگانا مناسب نہیں سمجھتا جاتا ہے، عام طور پر یہاں لوگ musk کی خوشبو کو بہت سیکسی سمجھتے ہیں، جاپان میں جب صبح کے وقت ورکرز کام پر آتے ہیں تو بعض کمپنیوں میں ان کو مالٹے کی خوشبو لگائی جاتی ہے، تاکہ وہ چست ہو جائیں اور دوپہر کے وقت دفاتر میں cedar & cypress کی لکڑی جلائی جاتی تاکہ تھکاوٹ دور ہو جائے۔

خوشبو کی اقسام:

یہ سوال کہ خوشبو ہے کیا؟ یہ دراصل کیمکلز کا مکسچر ہے، انسان کے ناک میں دس ملین کے قریب ری سیپٹرز موجود ہیں جن کی وجہ سے ہم ہزاروں اقسام کی خوشبوؤں اور بوؤں کی شناخت کر لیتے ہیں، کتوں کے ناک میں ایسے ۲۰۰ ملین ری سیپٹرز ہوتے ہیں۔

خوشبو کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں: منٹی Minty، مشک Musk، کافور

بد بوجیسے گندے انڈوں کی، تیزابی جیسے سرکہ کی خوشبو، مغربی Camphor ممالک میں عورتوں کا محبوب ترین پرفیوم شنیل نمبر فائیو chanel No 5 ہے، جو ۱۹۲۲ء میں ایجاد ہوا تھا، امریکہ میں ہر سال مختلف اقسام کی خوشبوؤں کی خرید پر لوگ ۲۴ ملین ڈالر خرچ کرتے ہیں، جبھی تو انگلش زبان میں کہتے ہیں کہ money does not stink۔

سورج کی روشنی میں ایسا طاقتور بلیچ bleach ہوتا ہے کہ کپڑے دھوکر دھوپ میں رکھنے سے ان کی بد بوختم ہو جاتی ہے؛ بلکہ سفید رنگ کے کپڑے تو نکھر کر اور بھی جاذب نظر ہو جاتے ہیں، مشاہدہ میں آیا ہے کہ خلاء میں جانے والے اسٹرونا ٹ کی چکھنے اور خوشبو سونگھنے کی حس کم ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گریویٹی کے باعث خوشبو کے مالی کیول ناک کے اندر اتنی دور تک نہیں پہنچ سکتے کہ دماغ کو خوشبو کا احساس ہو سکے، جب ہم کوئی پر لطف اور مزیدار چیز کھا رہے ہوں تو ہمارا منہ اس مزیدار غذا سے بھرا ہوا ہو تو ہم اپنا منہ بے ساختہ کھول لیتے ہیں اور ہوا کو باہر نکالتے ہیں، ہوا کے باہر نکالنے سے ہمارے منہ کے اندر خوشبو سونگھنے کے Receptors قریب سے ہوا گزرنے سے جو خوشبو کا احساس دماغ کو ہوتا ہے اس سے ہمیں غذا اور بھی زیادہ مزیدار لگنے لگتی ہے۔

خالق کائنات نے انسان کو جو حس سب سے پہلے عطا کی تھی وہ سونگھنے ہی کی تھی اس لئے یہ کہنا مناسب ہے wethink because we smell سونگھنے کی حس انسان میں اس قدر غالب ہوتی ہے کہ انسان اس کو بطور ٹیسٹ کے بھی استعمال کرتا ہے، منہ میں کسی مشروب یا مضر غذا یا زہر کے جانے سے قبل انسان اس کو سونگھ کر اپنے آپ کو اس کے محفوظ کر لیتا ہے، فریج کے اندر سالن یا کوئی اور چیز کافی دیر پڑی رہنے سے خراب ہو جانیکا خدشہ ہو تو اس کا فیصلہ ہم بجائے چکھنے کے سونگھ کر ہی تو کرتے ہیں، اچھے کھانے اور خراب کھانے میں فرق کرنے میں انسانی ناک ایکسپرٹ کا رول ادا کرتا ہے، یوروپ اور امریکہ میں وائن ٹیسٹنگ کا فیصلہ سونگھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی باتوں سے خوشبو آتی ہے اور عاشق صادق سے پوچھو کہ اس کی محبوب کی پہچان کیا ہے تو وہ خوشبو سے ہی تو اس کو پہچانتا ہے، بعض عاشق ایسے ہوتے ہیں کہ جب اپنے معشوق سے جدا ہونے لگتے ہیں تو اس سے رومال مانگ لیتے ہیں تاکہ وہ اس کی خوشبو سے ہی اس کی یاد کو تازہ کرتے رہیں اور جب کسی کا کوئی عزیز رشتہ دار راہی ملک عدم ہو جائے تو لوگ یاد کے طور اس کا سویٹر یا کوٹ رکھ لیتے ہیں تاکہ اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے اس عزیز کی یاد تازہ ہوتی رہے۔

انسان کے جسم سے مختلف قسم کی بد بو خارج ہوتی ہیں، ایک انتھروپا لوجسٹ کے مطابق ہمارے آباؤ اجداد کے جسموں سے آج سے ہزاروں سال قبل بہت زیادہ بو خارج ہوا کرتی تھی جس کا ایک ضمنی فائدہ یہ تھا کہ جانور ہمیں درخور اعتنا نہیں جانتے تھے گویا ایک ملین سال قبل بد بو بطور دفاع کے بھی استعمال ہوتی تھی۔

جاپانی مردوں میں سے بد بو کا آنا بہت برا سمجھا جاتا ہے، حتی کہ بعض مرد تو اس وجہ سے ملٹری میں بھرتی ہونے سے رہ جاتے ہیں، اس لئے جاپانیوں سے آپ کو شاذ ہی بد بو آئیگی، شاید یہی وجہ ہے کہ ایشیا میں لوگ اپنے اردگرد کے ماحول میں خوشبو کا ہونا اپنے جسم پر خوشبو ہونے سے زیادہ اہم جانتے ہیں، اس کی ایک واضح مثال اگربتی کا استعمال ہے، دیکھنے میں آیا ہے کہ چربی بد بو کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اگر آپ پیاز کاٹ کر فریج کے اندر مکھن کے ساتھ رکھ دیں تو مکھن پیاز کی بو کو جذب کر لے گا، انسانی بالوں کے اندر بھی فیٹ یعنی تیل ہوتا ہے اس لئے تکیہ کے اوپر چکنائی کے داغ پڑ جاتے ہیں، ہمارے بال بد بو کو اپنے اندر جلد ہی جذب کر لیتے ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر آپ کسی سگریٹ نوش کے ساتھ بیٹھے رہیں تو سگریٹ کی ناخوشگوار بو بالوں میں سب سے زیادہ آتی ہے۔

انسان کے جسم سے بد بو اس کی apocrine glands سے خارج ہوتی ہے، ہماری نوعمری کی حالت میں یہ گلینڈ چھوٹی ہوتی ہیں اور سن

بلوغت تک یہ قدرے بڑی ہو جاتی ہیں، یہ گلینڈ بغلوں میں، چہرے پر، چھاتی پر اور عضو تناسل کے ارد گرد پھیلی ہوتی ہیں، بعض مما لک میں تو لوگ جب ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں ناک رگڑتے ہیں گویا وہ غیر ارادی طور پر ایک دوسرے کو سونگھتے ہیں، انسانی ناک میں ایک ہزار کے قریب chemical receptors ہوتے ہیں، جو خوشبو کے مختلف کیمیائی خواص میں پہچان کر لیتے ہیں، پھر پہچان کے یہ پیغامات دماغ کے اس حصہ کو بھیجے جاتے ہیں جس کو olfactory bulb کہتے ہیں اور جو آنیوالی انفارمیشن کو پروسیس کرتا ہے۔

غذا اور خوشبو:

جو لوگ گوشت خور ہوتے ہیں ان کے جسم سے جو بدبو آتی ہے وہ سبزی خوروں سے مختلف ہوتی ہے، بچے بڑوں کی نسبت مختلف قسم کی خوشبو کے حامل ہوتے ہیں، جو لوگ ہسپتال میں کام کرتے ہیں ان سے بھی خاص قسم کی بو آتی ہے، جسم سے بو آنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، جیسے انسان کی صحت، اس کا پیشہ، غذا جو وہ کھاتا ہے، دوائی کا استعمال اور انسان کی جذباتی حالت وغیرہ پکے ہوئے تازہ کھانے کی خوشبو اور بھوک کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، انسان باہر سے جب گھر آئے تو تازہ کھانے کی خوشبو سے بھوک دوبالا ہو جاتی ہے اور بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک پتہ نہ چل جائے کہ کیا پکا ہے یا اس کو چکھ نہ لیں تو ان کو چین نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ مشرقی کھانوں میں دوسرے مصالحوں کے علاوہ زعفران، روح کیوڑہ استعمال کیا جاتا ہے، زعفران دنیا کا سب سے زیادہ مہنگا مصالحہ مانا جاتا ہے، یا بعض دفعہ چاولوں میں مالٹوں کے چھلکیں ڈال دی جاتی ہیں، تاکہ بھینی بھینی خوشبو آئے اور پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی فرحت پہنچے، کھانے کے مزیدار ہونے کا فیصلہ سب سے پہلے خوشبو کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے، پنجاب کے رہنے والے میتھی کی خوشبو سے خوب واقف ہیں، نہ صرف اس کے کھانے کا مزہ آتا بلکہ اس کی خوشبو بھی روح اور جان کو معطر کر دیتی ہے۔

کینیڈا میں بعض ریستوران عمداً ڈبل روٹی کو جلاتے ہیں تاکہ اس کی خوشبو پورے علاقہ میں پھیل جائے، ہم ایک دفعہ اپنے دوست کا گھر بھول گئے جب ان کی ہائی رائز بلڈنگ میں پہنچے تو جس گھر سے ہمیں پاکستانی کھانے کی خوشبو آئی ہم جان گئے کہ یہی ہمارے دوست کا گھر ہے، سائنسدانوں کے مطابق خوشبو کی حس ہمارے جسم میں چکھنے کی حس کی نسبت دس ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے، امریکہ اور کینیڈا میں کسی کافی کی دکان پر جائیں وہاں آپ کو کئی اقسام کی خوشبودار کافی جیسے french vanilla, hazelnut,amaretto,irish cream پینے کو ملے گی، مغربی مما لک میں آئس کریم، کیک، پیسٹریاں، بسکٹ، ادویاء، کوک میں خوشبو کیلئے vanilla کا استعمال بہت کیا جاتا ہے؛ کیونکہ وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ "the way to a man's heart is through his stomach." اس کے ساتھ ساتھ ونیلا کو مغرب میں aphrodisiac بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

دنیا میں خوشبو سونگھنے کی نعمت سب سے زیادہ ایک خاتون ہیلن کیلر Helen Keller کو ودیعت کی گئی تھی، وہ کہا کرتی تھی کہ مختلف اشخاص کو سونگھنے سے وہ بتلا سکتی تھی کہ ان کا پیشہ کیا ہے۔

خوشبو اور جانور:

جانوروں کو مار کر خوشبو نکالنے کی رسم بہت پرانی ہے، جیسے ایشیا کے ہرن کے پیٹ کے اندر سرخ رنگ کا ایک مادہ ہوتا ہے جس سے مشک کی خوشبو تیار کی جاتی ہے، اسی طرح ایتھوپیا کے ملک میں پائے جانیوالی بلی جو گوشت خور ہوتی ہے، اس کے جسم سے جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Civet ہے، کینیڈا اور روس جیسے مما لک میں پایا جانیوالا جانور جس کا نام Beaver ہے، اس کے جسم پر جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Castoreum ہے۔

بعض پودوں میں سے اس قدر بدبو پیدا ہوتی ہے کہ چرند پرند ان سے دور رہنا ہی مناسب سمجھتے ہیں، ان پودوں کے نام Rosemary & Sage ہیں، جانوروں میں سے امریکہ اور کینیڈا میں پایا جانیوالا جانور

Skunk ہے، جو دفاع کے طور پر اپنی لمبی دم کے نیچے سے نا قابل برداشت بد بو کا سپرے کرتا ہے جو کئی فٹ تک پہنچ جاتا ہے۔

راقم الحروف کے گیرتج میں پچھلے سال رات کے وقت یہ جانور آ گیا مگر باہر جانے میں اس کو جب دقت ہوئی تو اس نے مجھ پر سپرے کر دیا مگر خوش قسمتی سے میں کافی دور تھا، اس لئے بچ گیا مگر گیرتج میں سے بد بو جانے میں کئی ہفتے لگ گئے، جس کیمیکل کا یہ سپرے کرتا ہے اس سے بینائی کھونے کا احتمال ہوتا ہے، ایک دفعہ یہ سپرے کر دے تو ہوا کے رخ کے مطابق اس کی بد بو کافی دور تک پہنچ جاتی ہے اور نہایت دل آزار ہوتی ہے۔

کتوں میں جسمانی بو سونگھنے کی حس اس قدر پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی پہچان اس کو سونگھنے سے کر لیتے ہیں، امریکہ اور کینیڈا میں پولیس کے محکمہ نے بعض ایسے کتے پال رکھے ہیں جو افیون یا چرس چاہے وہ جہاں بھی چھپی ہو اس کو کھٹ سے تلاش کر لیتے ہیں، چوروں یا ڈاکوؤں کو تلاش کرنے کیلئے یا اشیاء کو تلاش کرنے کیلئے بھی کتے استعمال میں لائے جاتے ہیں اور ان کے کسی چیز کو تلاش کرنے کا راز خوشبو یا بد بو میں ہے، پولیس اسٹیشن میں ایسے کتوں کے یونٹ کو وہ K-nine Unit کہتے ہیں، چمگادڑ اپنے بچے کو اس کی مخصوص جسمانی بو سے اس کو پہچانتی ہے، خرگوش میں سونگھنے کی اہلیت کا تجربہ تو ہم نے خود کیا، ہم نے اپنے گھر کے پچھلے حصہ میں موسم گرما میں گاجر کے بیج لگائے، جب گاجر نکل آئی تو کوئی خرگوش ہر روز ہمارے بیک یارڈ میں آ کر زمین میں دفن گاجر نکال کر کھاتا رہا کیونکہ اس کو اس کی خوشبو دور تک آ جاتی تھی۔

آج سے بیس سال قبل سائنسدانوں کا خیال تھا کہ پرندوں میں خوشبو سونگھنے کی زیادہ اہلیت نہیں ہوتی ہے، مگر جدید تحقیق کے مطابق اب ان کا کہنا ہے کہ پرندوں میں سے درج ذیل پرندوں کے دماغ میں olfactory lobes اتنے ڈی ویلوپ ہو گئے ہیں کہ وہ سونگھ سکتے ہیں

albatross,petrels,the kiwi and the American turkey buzzard.

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک پرندہ جس کا نام Starling ہے، وہ اپنا گھونسلہ بنانے کا فیصلہ مختلف اقسام کی لکڑیوں سے آنیوالی خوشبو سے کرتا ہے، اسی طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ کتوں اور گھوڑوں میں اپنے مالک کے خوف زدہ ہونے پر وہ اس کا اندازہ خوف سے پیدا ہونے والی بو سے کر لیتے ہیں، بعض لوگ جب خوف زدہ ہوتے ہیں تو ان کی بغلوں سے جو پسینہ خارج ہوتا ہے اس سے بہت ہی نا قابل برداشت بو آتی ہے، گدھیں مردہ جسم کی بو میل ہا میل سے سونگھ کر اس کے مقام کا تعین کر لیتی ہیں، بعض سمندری پرندے تو نیوی گیشن یعنی اپنے راستہ اور سفر کا تعین ہی سونگھنے سے کرتے ہیں، چھپکلی اپنی زبان سے سونگھتی ہے، اسی طرح گلہریاں جو غذا زمین کے اندر فوڈ سٹور کرنے میں مہارت رکھتی ہیں وہ seeds and nuts جیسے مونگ پھلی مہینوں پہلے زمین کے اندر دبا دیتی ہیں، مگر سردیوں میں بوقت ضرورت وہ اس کا تعین سونگھنے سے لگاتی ہیں کہ ان کو کہاں دفنایا تھا۔

شہد کی مکھی کے این ٹینا کے اندر chemoreceptors موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ خاص خاص پھولوں سے آنیوالی خوشبو کی وجہ سے ان پر زیادہ بیٹھتی ہے، دیکھنے میں آیا ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتہ خوشبو سونگھ کر ہی تلاش کر لیتی ہیں، اگر کوئی شخص ان کے چھتہ کے قریب برے ارادہ سے جائے تو یہ دفاع کے طور حملہ کر کے ڈنگ مارتی ہے، اس ردعمل پر اس کے جسم سے خارج ہونے والی خاص قسم کی بو آتی ہے جس کو Alarm Pheromone کہتے ہیں یہ بو کیلے سے ملتی جلتی ہوتی ہے، اس بو کے ہوا میں پھیلنے پر دوسری مکھیوں کو اطلاع ہو جاتی ہے کہ چھتہ خطرہ میں ہے اور وہ وہاں فوراً آ جاتی ہیں، یہ فیرومون کپڑوں پر بھی گر جاتا ہے اس لئے اگر مکھی نے کاٹا ہو تو کپڑوں کو دھو لینا مناسب ہے، چھتہ کے اندر مکھیوں کی ملکہ جب سلسلہ جنبانی چلانا چاہتی ہے تو سیکس فیرومون جسم سے خارج کرتی ہے، چھتے کے اندر دوسری مکھیاں ملکہ کی پہچان اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے ہی کرتی ہیں۔

مذکر تتلیاں دور سے مؤنث تتلی کا اندازہ سونگھنے سے لگاتی ہیں اگرچہ ان میں سونگھنے کی اہلیت زیادہ نہیں ہوتی ہے، چوہوں میں بھی

سونگھنے کی اہلیت شدید قسم کی ہوتی ہے، وہ غذا اور مختلف گھروں میں موجود خفیہ راستوں کو سونگھ کر ہی تلاش کرتے ہیں، کینیڈا کے سب بڑے اخبار ٹورنٹو سٹار کی ۲۰ ستمبر ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں صفحہ نمبر ایل ۳ پر یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ دارلسلام (تنزانیہ) سے ۱۶۰ کیلومیٹر دور Sokoine Univesity of Agriculture میں سائنسدان افریقن فربہ چوہوں کو اس قسم کی ٹریننگ دے رہے ہیں کہ وہ زمین میں مدفون لینڈ مائنز کو تلاش کر سکتے ہیں، یہ چوہے ڈیڑھ کیلوگرام وزنی اور ۷۶ سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں، ۳۰۰ کے قریب ایسے ہٹے کٹے چوہے یہ ٹریننگ لیبارٹری کے اندر لے رہے ہیں کہ ڈائنامائیٹ اور ٹی این ٹی کی خوشبو سے وہ لینڈ مائین کو تلاش کر لیں گے، ٹریننگ کے بعد ان کو موزنبیق کے ملک میں لے جایا جائیگا۔

پھر سالمن مچھلی Pacific salmon میں بھی سونگھنے کی حس بہت طاقتور ہوتی ہے، سالمن مچھلی اپنا راستہ کس طرح تلاش کرتی ہے یہ دیکھنے کیلئے کینیڈا کے ایک پروفیسر Hasler نے صوبہ برٹش کولمبیا کے پاس بحراوقیانوس میں تین سو مچھلیوں کو پکڑ لیا پھر وہ ان کو اس جگہ پر لے گیا جہاں سے وہ آئیں تھیں، ان میں سے نصف کے ناک روئی سے بند کر دئے گئے اور ان سب کو چھوڑ دیا گیا، دیکھنے میں آیا کہ جن کے ناک بند کئے گئے تھے وہ تو گم ہوگئیں مگر باقی اپنے مقام پر بخریت پہنچ گئیں، دیکھنے میں آیا ہے کہ سالمن مچھلی سمندر میں جس جگہ انڈے دیتی ہے وہ اس کی پہچان پانی کے بہاؤ کے خلاف خوشبو سونگھ کر لیتی ہے۔

الیکٹرانک نوز:

خطرناک کیڑوں میں سے بھڑ ایسا کیڑا ہے کہ اس کو غذا کی خوشبو میلوں دور تک آجاتی ہے اور پھر وہ بھاگم بھاگ فوڈ پر حملہ آور ہو جاتا ہے، اس سال ستمبر میں ہم لوگ پارک میں پکنک منانے گئے جوں ہی فوڈ کے بیگ کھولے واسپ آنا شروع ہوگئے، گویا ان کا تو میلہ لگ گیا، برطانیہ کے اخبار ڈیلی گراف (۱۶ دسمبر ۲۰۰۱ء) میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ہالینڈ میں سائنسدانوں نے زمین کے اندر دفنائی ہوئی لینڈ مائنز کا کھوج لگائے کیلئے واسپ کو ٹریننگ دینا شروع کر دی ہے جو لینڈ مائنز کو ان کی خوشبو سے تلاش کر لیتے ہیں، واسپ کو تربیت دینے کیلئے صرف ایک گھنٹہ کی مشق کی ضرورت ہوتی ہے، ڈچ سائینسدانوں کا کہنا ہے کہ امریکہ کی جنوبی ریاستوں (جیسے فلوریڈا) سے لائی ہوئی ان واسپ کے اندر سونگھنے کی شدید اہلیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا شکار جلد تلاش کر لیتی ہیں، امریکہ میں بھی اس ضمن میں ریسرچ کا کام محکمہ دفاع کی ایڈاوانس ریسرچ ایجنسی کے تحت واسپ پر ریسرچ کا کام ہو رہا ہے، یہ ایجنسی اب تک ۳۰ ملین ڈالر اس خاص نوعیت کی ریسرچ پر خرچ کر چکی ہے، امریکی سائینسدانوں کو یقین ہے کہ واسپ کو کیمیکل اور بائیولاجیکل ویپنز (جیسے اینتھریکس) تلاش کرنے کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی 'کولمبس' میں سائنسدانوں نے الیکٹرانک نوز (کمپیوٹر سے بنا ہوا) ایجاد کیا ہے جو پنیر کی مختلف اقسام سے آنیوالی خوشبوؤں کو سونگھنے میں فرق کر سکتا ہے، ایسے بجلی کے ناک کی قیمت ایک لاکھ امریکی ڈالر ہے، یاد رہے کہ انسانی ناک جب دس منٹ تک خوشبوؤں کو سونگھتا رہے تو اسے چند منٹ کے وقفہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس لیکٹرانک ناک میں یہ کمی نہیں پائی جاتی، ایک تجربہ میں جب سوس چیز کی پانچ اقسام کو سونگھنے کیلئے اسے دیا گیا تو اس نے ہر پنیر میں صحیح صحیح فرق بتلا دیا۔

پھولوں میں سے سب سے مقبول خوشبو گلاب کے پھول کی ہے، مشرقی ادویات میں گلاب کا عرق تو بطور دوائی کے بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ رومن بادشاہ گلاب کے پھول کے عاشق ہوتے تھے، گلاب کے پھول کی پتیوں کو وہ بستر پر سجایا کرتے تھے، بادشاہ پر پتیاں نچھاور کرنیکا عام رواج تھا، گلاب کے پھولوں کے لوگ ہار بڑے اہتمام سے پہنا کرتے تھے، عورتوں کے بالوں میں گلاب کے پھول سجاوٹ کے طور پر لگائے جاتے تھے، حتی کہ روم میں پرانے زمانہ میں ایک سرکاری تعطیل ایسی تھی جس کا نام روزالیہ

Rosalia تھا، ہندو پاکستان میں چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو انسان کو مسحور کر دیتی ہے، اس کی خوشبورات کے وقت میل ہا میل پھیل جاتی ہے۔

جوں جوں انسان عمر رسیدہ ہوتا جاتا ہے اس میں سونگھنے کی حس کمزور ہوتی جاتی ہے، جو لوگ ایلیز ہائمر کے موذی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یادداشت کھونے کے ساتھ ساتھ سونگھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، سونگھنے کی حس مردوں کی نسبت عورتوں میں تیز ہوتی ہے، خاص طور پر عورتوں میں male pheromones سونگھنے کی اہلیت حیض کے ایام کے دوران تو کم ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد تیز ہو جاتی ہے، ایک تجربہ میں بہت سارے مردوں اور عورتوں کو ٹی شرٹ سونگھنے کیلئے دی گئیں، دیکھا گیا کہ ہر عورت نے اپنے شوہر کی ٹی شرٹ سونگھ کر پہچان لی، مردوں کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے جسے androstenol کہتے ہیں، بعض عورتوں کو یہ بہت اچھی لگتی ہے۔

ایک تجربہ میں چالیس سال کی عمر سے اوپر کے مردوں کو خاص کولون دئے گئے، تو دیکھا گیا کہ ان میں tension, depression, anger, fatigue & confusion کم ہو گئے، یہی تجربہ جب عورتوں پر کیا گیا تو اس کے بھی خاطر خواہ نتائج نکلے، مغرب میں بعض نوجوان لڑکیاں musk پرفیوم کا استعمال یہ سوچ کر کرتی ہیں کہ یہ بہت سیکسی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عورتوں میں اس خوشبو کو سونگھنے کی اہلیت ایک ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے، مصنوعی پرفیوم ۹۸ رفی صد پانی اور الکحل ہوتا ہے، صرف دو فی صد تیل اور پرفیوم کے مالی کیول اس میں شامل ہوتے ہیں، مغرب میں بننے والے چند ایک معروف پرفیوم اپنے نام سے اپنی تعریف خود کرتے ہیں یعنی اسم بامسمیٰ ہیں:

Poison,Obsession, My Sin, Opium, Tabu,Youth Dew.

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ڈاکٹروں میں سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے، مریض سے جس قسم کی بوآ رہی ہو اس سے ڈاکٹر لوگ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ وہ کس مرض کا شکار ہے، سکندر اعظم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اسے بھی پرفیوم اور اگر بتی کی خوشبو بہت پسند تھی، خاص طور پر اسے زعفران بہت ہر دلعزیز تھی۔

اسلامی نقطہ نظر:

پھولوں میں سے خوشبو کو نکالنے کا سہرا اسلامی دنیا کے سب سے عظیم طبیب حکیم ابن سینا کے سر باندھا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ ابن سینا سونگھ کر بیماریوں کی تشخیص بھی کیا کرتے تھے، جیسے مریض کے پیشاب میں سے آنیوالی بو سے اس کے مرض کی تشخیص۔

جالینوس اور بقراط کے بارہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ انفیکشن کے علاج کیلئے پرفیوم کا استعمال تجویز کرتے تھے، بقراط کے زمانہ میں جب ایتھنز میں پلیگ پھیلی تو اس نے اگر بتیاں جلانیکا کا مشورہ دیا تھا، سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدیوں میں یوروپ میں خوشبو تمام نفسیاتی بیماریوں جیسے ہسٹیریا، می لانکولیا، سردرداورزکام کیلئے استعمال کی جاتی تھی، خوشبو ہر تہذیب، کلچر اور ہر سوسائٹی میں خاص مقام رکھتی ہے، جاپان میں ایک زمانہ میں ایسی گھڑیاں بنائی جاتی تھیں جو ہر پندرہ منٹ بعد مختلف قسم کی اگر بتی جلاتی تھیں۔

اسلامی تہذیب میں خوشبو کو خاص مقام حاصل رہا ہے، عید کے روز خوشبو لگانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بہت ہر دلعزیز تھی، آپ نے فرمایا کہ مجھے اس دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں بہت پسند ہیں، نماز، عورت اور خوشبو، ایک اور حدیث میں آیا ہے "حبب الی من الد نیا النساء والصلوۃ والطیب" (مسند احمد ابن حنبل) یعنی دنیا کی جملہ چیزوں میں عورتیں اور خوشبو مجھے بہت پسند ہیں، فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد یہ ہے کہ "حق علی کل مسلم الغسل والطیب" (مسند ابن حنبل) یعنی ہر مسلمان کو غسل اور خوشبو کا التزام کرنا چاہئے، ایک اور حدیث میں بیان ہوا ہے کہ مسلمانوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ جمعہ کے روز غسل کریں اور جو خوشبو میسر ہو اسے لگائیں؛ لیکن جسے خوشبو میسر نہ ہو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے۔ (جامع ترمذی)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) نے جن خوشبوؤں کو

کثرت سے استعمال فرمایا ان میں مشک، عنبر، عود، گل حنا اور ریحان شامل ہیں، مشک کے بارہ میں آپ نے فرمایا "المسك الطيب" یعنی مشک سب سے اچھی خوشبو ہے۔ (جامع ترمذی)

خوشبو کے فوائد:

خوشبو کے استعمال کا سب سے بڑا فائدہ پرکشش اور جاذبیت ہے، انسان نے نوع بہ نوع تدابیر سے اپنی شخصیت کو پرکشش بنانیکی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، شاید پرفیوم کی ایجاد کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما تھا، جو لوگ اسلام کے ازلی پیغام سے محروم ہیں وہ بھی زمانہ قدیم سے خوشبو کا استعمال کرتے آرہے ہیں، قیادت اور اعلیٰ صلاحیت کیلئے پرکشش شخصیت کا ہونا ضروری ہے اور پرکشش بننے کیلئے عمدہ کپڑوں کے ہمراہ خوشبو سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو کے استعمال کیلئے واضح ارشادات فرما کر ہم سب کو پرکشش ہونے کا سنہرہ موقعہ فراہم کیا ہے، احادیث نبوی میں جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر علی الخصوص خوشبو کے استعمال کو مستحسن قرار دیا ہے، ان مواقع پر لوگ آپس میں ملتے ہیں اور محبت والفت کا ذریعہ بنتے ہیں، لہٰذا ان مواقع پر خوشبو کا استعمال بہت ہی مفید ہے، بلاشبہ خوشبو انسان میں مقناطیسیت پیدا کرتی ہے۔

خوشبو کے استعمال سے روح اور دماغ کو فرحت ونشاط حاصل ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں پریشان خیالات اپنے مرکز فکر پر مرکوز ہو جاتے ہیں، نماز کی اصل روح توجہ الی اللہ ہے اس لئے عبادات اور نماز میں خوشبو کا التزام ہمیں ہمارے خالق کائنات کی جانب کامل توجہ، یکسوئی کا بہترین ذریعہ مہیا کرتا ہے۔

تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ خوشبو کا استعمال قلب وروح کیلئے مفرح ہے، مفرح کی تعریف یہ ہے کہ ایسی دوا جو روح قلبی کو صاف کرے اور بدن میں پھیل کر فرحت وانبساط پیدا کرے، اس لئے خوشبو مفرح قلب وروح ہے، اس ضمن میں شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں:

خوشبودار چیزیں قلب کو فرحت بخشتی ہیں۔

روح قلبی کو خوشبو کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔

روح طبعی خوشبو سے قوت اور غذا حاصل کرتی ہے۔

ماہرین اطباء نے فرحت بخش دواؤں سے بہت سے مرکبات تیار کئے ہیں جو کہ نفسیاتی، قلبی اور دماغی امراض جیسے خفقان، اختلاج قلب، ضعف قلب، فکر وتردد میں نفع بخش ثابت ہوتے ہیں، ایسے مرکبات میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱- مفرح اعظم۔
۲- مفرح شیخ الرئیس۔
۳- مفرح یاقوتی۔
۴- خمیرہ گاؤزبان۔
۵- خمیرہ آبریشم۔

خوشبو کا ایک اور بہت ہی اہم فائدہ انسان کے اخلاقی صفات پر اس کی تاثیر ہے، اس تاثیر کو سمجھنے کیلئے عالم اسلام کے سب سے بڑے طبیب ابن سینا کی مایہ ناز تصنیف "ادویہ قلبیہ" کا مطالعہ ازحد ضروری ہے، حکیم ابن سینا پہلے طبیب تھے جنہوں نے اخلاقی صفات جیسے لذت والم، نفرت ومحبت، کینہ وعداوت، بغض وعداوت، غیض وغضب، خیر وشر، یعنی تمام امراض نفسانیہ کو جسم انسانی کے اندر موجود اخلاط کی کمیت کا اثر قرار دیا ہے، انہوں نے ان امراض نفسانی کے ازالہ کیلئے طبی تدابیر بیان کی ہیں یعنی ازالہ اسباب اور تفریح قلب وروح، ان دونوں میں سے تفریح قلب وروح کیلئے انہوں نے خوشبو کو سرفہرست رکھا ہے، حکیم ابن سینا نے فرحت حاصل کرنے کیلئے جن دواؤں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں بیشتر دوائیں خوشبودار ہیں مثلاً آملہ، ریحان، گل سرخ، زعفران، دارچینی، گل مختوم، مشک، سنبل الطیب، عنبر، عود، صندل، کافور، الائچی خورد وغیرہ ان دواؤں کی افادیت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک ان میں خوشبو قائم ودائم رہتی ہے۔

اروماتھراپی Aroma therapy کا آغاز ۴۵۰۰ ق م مصر میں ہوا تھا

جو کہ اس وقت ترقی یافتہ ملک تصور کیا جاتا تھا، اس میں خوشبودار پھولوں پودوں، جڑوں، بوٹیوں اور بیجوں سے بنے ہوئے روغنیات oils کو قلبی اور ذہنی عوارض کے علاج کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی ایک مثال امریکہ و کینیڈا میں مقبول عام دوا Vicks Vapor-rub ہے جو زکام کیلئے استعمال کی جاتی ہے یہ دوا کافور، مینتھول اور یوکالپٹس درخت کے آئیل مکسچر سے تیار کی جاتی ہے، اس تھراپی کے ماہر کہتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء سے بنے ہوئے تیل سے آنیوالی خوشبو سے یادداشت کو مہمیز لگتی ہے، مذکورہ اشیاء سے بنا ہوا تیل کھال کے ذریعہ یا ناک کے راستہ جسم میں داخل ہوتا ہے اور پھر دماغ کو پہنچ کر یہ بیماری کو ختم کردیتا یا پھر اس کی شدت میں کمی پیدا کر دیتا ہے، آیئے اس خوشبودار مضمون کو اب اردو زبان کے چند دلآویز اشعار پر ختم کرتے ہیں:

ہمیں نہیں عطر کی ضرورت کہ اس کی خوشبو ہے چند روزہ
بوئے محبت سے اسکی اپنے دماغ و دل کو بسائیں گے ہم
تمہاری یاد کی خوشبو کا جب لمحہ مہکتا ہے
تو ایوان وفا کیا ہجر کا قریہ مہکتا ہے
ہے گلشن دل تیری ہی خوشبو سے معطر
پر پھول تیری یاد کے غنچے میں کھلا ہے

نقوش اسلام آپ کو مل رہا ہے؟

اگر ماہنامہ نقوش اسلام آپ کو ہر ماہ پابندیٔ وقت سے مل رہا ہے تو پھر ہر شمارہ ملنے پر اس کی اطلاع دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھئے۔

اور اگر کسی ماہ کا رسالہ آپ کو نہیں ملا ہے تو اس کے متعلق پہلے اپنے قریبی ڈاکخانہ سے معلوم کیجئے چونکہ بسا اوقات ڈاک کی بدنظمی تاخیر کا سبب بنتی ہے، اس کے باوجود بھی اگر رسالہ آپ کو نہ مل سکے تو آپ انگریزی مہینہ کی ۱۰؍ تاریخ کے بعد بذریعہ فون ادارہ سے رابطہ قائم کیجئے، انشاءاللہ ادارہ آپ کی مشکلات کا حل تلاش کرے گا۔ (ادارہ)

رابطہ کے لیے : 9719639955

وزیر اعظم ہند کا مذہبی تشخص کیلئے مؤثر اقدام

دہلی ۵؍ فروری ۲۰۰۸ء وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے فرانس کے صدر نکولس سرکوزی سے ایٹمی امور، عالمی معاملات اور دہشت گردی کے خاتمہ سے متعلق مذاکرات کے دوران فرانس میں سکھ برادری کی پگڑی پر عائد پابندی کو ختم کرنے کی بات کہی، جس پر صدر مذکور نے کہا کہ حکومت فرانس اعلان کرتی ہے کہ پگڑی پر عائد پابندی ختم کی گئی، اس طور پر ہمارے وزیر اعظم نے ہندوستانی تہذیب کی کامیاب نمائندگی کی اور یہ موقعہ فراہم کیا کہ ہمارے سکھ بھائی اپنے مذہبی تشخص کے ساتھ فرانس میں زندگی گزار سکیں گے، اس باحوصلہ مؤثر مذہبی اقدام پر وزیر اعظم ہند مبارکباد کے مستحق ہیں، میں اس لیے زیادہ مسرور ہوں کہ انہوں نے سکھ ہوتے ہوئے سکھوں کی مذہبی نمائندگی کی اور اسے اپنے فرائض منصبی کا حصہ قرار دیا، ان خیالات کا اظہار خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی نے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کے نام ایک خط میں کیا ہے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وزیر اعظم کی یہ روش دوسری اقلیتوں کے سیاسی رہنماؤں کے لیے قابل تقلید ہے، مولانا محمد ولی رحمانی نے لکھا ہے کہ ہندوستانی فوج اور پولیس میں مسلمانوں کے داڑھی رکھنے پر قانونی پابندی لگی ہوئی ہے، اس سلسلہ میں ہمارے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے، مولانا رحمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان میں مذہب اور تہذیب پر عمل کرنے کی آزادی ہے، دستور ہند میں اس کے لیے دفعات ہیں، اسی بنیاد پر یہاں مسلم پرسنل لا محفوظ ہے، لیکن عدالتیں قانون شریعت کی من مانی تشریح کرتی ہیں، اور پری وی کاؤنسل کے مشورے خلاف عمل کر رہی ہیں، عدالت کا مذہب اور تہذیب کی تشریح کرنا اپنے حدود سے باہر جانا ہے، مجھے امید ہے کہ عدالتوں کی سمت کو درست کرنے میں وزیر اعظم ہند اپنا مستحکم مثبت رول ادا کریں گے، اور جس طرح انہوں نے عالمی مذاکرات کے دوران فرانس میں سکھوں کے مذہبی تشخص اور ہندوستانی تہذیب کی حفاظت کے لیے اپنے اثرات اور اپنے منصب کا استعمال کیا ہے، اپنے ملک میں داڑھی پر لگی قانونی پابندی کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے مذہبی تشخص اور مسلم پرسنل لا سے متعلق عدالتوں کے تجاوزات کو روکنے کے لیے اپنے اثرات استعمال کریں گے۔ (محمد ناصر)

محاسبہ

بارہ ربیع الاول............

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری مرکز احیاء الفکر الاسلامی

ربیع الاول کا مبارک مہینہ جو ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے، یہ مہینہ عام طور پر ہمارے ملک میں سیرت النبی کی محفلوں، جلسوں اور کانفرنسوں کی ایک بہار لے کر آتا ہے، ملک کی مسلم اکثریت والی شاید ہی کوئی بستی اور شہر کا شاید ہی کوئی محلّہ ایسا ہو کہ جہاں سیرت طیبہ کے مبارک تذکرے کے لیے کوئی نہ کوئی محفل منعقد نہ ہوتی ہو، اس ماہ کے آتے ہی سیرت کے تذکروں اور محفلوں کا ایک دور شروع ہو جاتا ہے، تمام شہروں میں جلسوں، جلوسوں کی گہما گہمی اور ہماہمی شروع ہو جاتی ہے، غرضیکہ بارہ ربیع الاول کو عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا ہے، جگہ جگہ تقریبات کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں، اخبارات و رسائل کے ذمہ داران حضرات خصوصی ایڈیشنوں میں سیرت نبوی پر خوبصورت مضامین شائع کرنے کو باعث برکت سمجھتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ سیرت کے حوالے سے بارہ ربیع الاول کے دن ایسے ایسے بدعات وخرافات ہوتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسانیت شرما جاتی ہے۔

بلاشبہ آپ کی سیرت طیبہ کا ذکر دنیا وآخرت دونوں کی سعادت کا ذریعہ ہے، آپ کے ذکر خیر سے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے جس کے پرانا ہونے کا امکان ہی نہیں، چونکہ امت مسلمہ کی فلاح وکامیابی کا اگر کوئی راستہ ہوسکتا ہے تو وہ اسی سیرت طیبہ کی اتباع میں مضمر ہے، لہٰذا آپ کی سیرت کو ہر مسلمان کا وظیفۂ حیات ہونا ہی چاہئے؛ لیکن موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر اگر غور کیا جائے تو اسی سے جڑا ہوا ایک سوال ہماری توجہ کا طالب ہے کہ جب ہم صحابہ وتابعین کے زمانے اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو وہاں اس طرح کی سیرت کی محفلوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا؛ بلکہ وہاں حالات اس کے برعکس نظر آتے ہیں، چونکہ صحابہ کے دور میں بھی ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا، اس کی بارہ تاریخ بھی آتی تھی، مگر دوسرے مہینوں کی طرح یہ بھی سادگی سے آتا اور رخصت ہو جاتا؛ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسمی مظاہرے کرنا اور جلسے جلوس کرنا ایک فضول کام ہے، اصل محبت تو آپ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے، آپ کی محبت دل میں بسانے اور آپ کی سنت پر عمل کرنے میں ہے، اور یہ باتیں صحابہ کے دلوں میں جاگزیں تھی جس کی وجہ سے ان کی زندگیاں مکمل طور پر سیرت کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہیں، ان کی ہر ہر ادا سے سیرت وسنت کی خوشبو پھوٹتی ہے اور ان کے ہر ہر عمل میں سیرت رسول کا وہ حسن وجمال نظر آتا ہے، جسے دیکھ کر لوگ اسلام کی صف میں داخل ہوتے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کے عروج واقبال کا پرچم مشرق ومغرب میں لہرانے لگا، برخلاف اس کے کہ آج کے مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ آئے دن سیرت طیبہ پر لمبی لمبی تقریریں سن کر اور کئی کئی صفحات کے مقالے پڑھ کر اور ہر سال ربیع الاول منانے کے بعد بھی ہمارے دلوں کی دنیا نہیں بدلتی، ہمارے دلوں میں کوئی سوز وگداز پیدا نہیں ہوتا اور ہماری زندگی کے طرز انداز میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔

تو ہمیں اس سوال کا جواب خود تلاش کرنا ہوگا اور اپنا محاسبہ بھی کرنا ہوگا، ویسے تو ادنی سے ادنی اور معمولی سے معمولی درجہ کے مسلمان کے ذہن میں اس سوال کا جواب پیدا تو ہوتا ہے؛ لیکن نہیں! اگر ہم حقیقت پسندی کے ساتھ اس سوال کے جواب پر غور کرتے ہوئے قرون اولیٰ سے اپنے حالات کا موازنہ کریں تو ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں ہرگز

دیر نہ لگے گی کہ ہمارے اوران کے درمیان وہی فرق ہے جو کسی شیٔ کی ظاہری نمائش اوراس کی حقیقت وروح میں ہوتا ہے، آج ہماری ساری کاوشیں اور تمام تر توانائیاں چند ایسے رسمی مظاہروں کی ادائیگی تک محدود ہیں جو اندر سے کھوکھلے بے جان اور روح سے خالی ہیں اوران کے ذریعے ہم اپنے آپ کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم نے تو سیرت کا حق ادا کردیا، جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے، دراصل معاملہ یہ ہے کہ سیرت طیبہ کی حقیقت اوراس کی روح سے ہمارا فاصلہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے، صحابہ اورتابعین ان ظاہری رسموں سے کوسوں دور تھے، چونکہ سیرت طیبہ ان کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھی، انھیں سیرت طیبہ کے ذکر کے لیے کوئی محفل منعقد کرنے، یا عشق رسول کے اظہار کے لیے جلوس و چراغاں کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ ان کے دلوں میں عشق ومحبت کے وہ چراغ روشن تھے جن کے آگے عمارتوں پر جھلملاتے ہوئے چراغوں کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے علاوہ ان کی اداؤں سے سیرت وسنت کا جو مظاہرہ ہوتا تھا وہ جلسوں اور کانفرنسوں سے بے نیاز تھا، سیرت طیبہ ان کے لیے کوئی ایسا قصۂ پارینہ نہیں تھا کہ جس کی یاد منا کراسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہوتی، وہ تو ایسی جیتی جاگتی حقیقت تھی جس کے نور سے انھوں نے سیاست ومعیشت سے لے کر منبر ومحراب تک زندگی کے ہر شعبوں کو منور کررکھا تھا۔

مگر آج سیرت کے تعلق سے ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہورہا ہے وہ اس کی واضح دلیل ہے، ہم نے طے کرلیا ہے کہ سیرت وسنت کی حقیقت کو اپنانے اوردعوت کے خارزاوں میں چلنے کے بجائے دادو توصیف کے نعروں میں کچھ کہہ سن لینا زیادہ آسان ہے، ہم نے یہ یقین کرلیا کہ اپنی زندگی کے طرز انداز کو بدل کر سیرت وسنت کے ڈھانچے میں ڈھالنے کے بجائے کسی جلسے میں بیٹھ کر سیرت کے واقعات پر سبحان اللہ کہہ لینا یا حضور کی شان میں کوئی نعت پڑھ دینا کہیں زیادہ آسان ہے، لہٰذا ہمارے دلوں نے اسی کو ذریعۂ نجات سمجھ لیا اورہم تقریروں اورنعتوں کے سہارے اپنے دل کو یہ تسلی دینے کی کوشش کرنے لگے کہ سیرت نبوی کا حق ہم سے ادا ہورہا ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، جہاں تک سیرت طیبہ کی حقیقی روح کا تعلق ہے اس سے نہ صرف یہ کہ ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں؛ بلکہ ہم مسلسل سنت سے روگردانی اوراس کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، مزید یہ کہ سیرت کی محفلوں میں مردوزن کا اختلاط، نعت پڑھنے کے لیے سازوسرور کا سہارا لیا جانا یہ وہ باتیں ہیں جنھوں نے ہمارے دلوں کو سیاہ کردیا ہے، سیرت کی محفلوں کا منعقد کرنا کوئی غلط نہیں، مگر اس وقت جو صورت حال ہے وہ یقیناً مایوس کن ہے، جس کی وجہ سے ہماری زندگی میں آئے دن خرابی آتی جارہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم ہدایت کی سچی تڑپ اوراصلاح حال کا حقیقی جذبہ لے کر سیرت طیبہ کا مذاکرہ کریں تو ممکن نہیں کہ ہماری عملی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے، اگر ہم ان مجلسوں سے اٹھنے کے بعد اپنی زندگی سیرت رسول کے مطابق گزارنے کا فیصلہ کریں تو تھوڑے سے عرصہ کے اندر ہمارے معاشرے میں غیر معمولی انقلاب آسکتا ہے، کہنے والے کے دل میں اگر دعوت اصلاح کا سوز ہواور سننے والا اصلاح حال کا جذبہ رکھتا ہوتو چندلمحوں میں تمام برائیوں کا سدباب ہوسکتا ہے؛ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سیرت کے موضوع کو سنجیدگی سے لیں اور بدعات سے الگ ہوکر ایسے طریقے اپنائیں جن سے ہماری زندگی سنت کے راستے پر جاسکتی ہو۔

لہٰذا ہم کو سیرت کی یادگار محفلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک تک محدود نہیں رہنا چاہئے؛ بلکہ آپ کی حیات طیبہ اور حالاتِ نبوی سے زندگیوں کو منور کرنے کی جو روشنی ملتی ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اس سے ایک طرف اگر ہماری زندگی دین ودنیا کے اعتبار سے صالح اور پاک زندگی بنے گی تو دوسری طرف زندگی کی جو مشکلات ہیں اور شب روز کے بدلتے ہوئے حالات وتغیرات ہیں ان میں بہتر حل کو سمجھنے اوراختیار کرنے کے لیے رہنمائی ملے گی۔

❀❀❀❀❀

مکتوبات اکابر

مکتوبات حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی ایک نیاز مند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

راقم آثم مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں زیر تعلیم تھا، وہاں بزرگوں اور اہل علم حضرات کی خدمت میں خط وکتابت اور ان سے دعائیں لینے کا شوق پیدا ہوگیا تھا، ایک مرتبہ حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر جمعیۃ شباب الاسلام لکھنؤ ایک وفد کے ساتھ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور تشریف لائے، وفد غالباً دس یا کچھ زیادہ افراد پر مشتمل تھا، جس میں داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صدر جمعیۃ شاہ ولی اللہ پھلت بھی شریک تھے، وفد کا اکرام ہوا اور مدرسہ کے ایک ہال میں حضرت مولانا سید سلمان حسینی کا پروگرام رکھا گیا، حضرت مولانا کا تعارف مولانا کلیم صدیقی نے کرایا، ہمارے ایک ساتھی جو شریک وفد تھے، انہوں نے الگ سے مزید حضرت مولانا کا تعارف کرایا، پروگرام میں حضرت مولانا نے جو تقریر ارشاد فرمائی تھی، وہ تو کچھ یاد نہیں، اس وقت اتنا شعور بھی نہ تھا، البتہ جب اکابر سے خط وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا، تو حضرت مولانا کی خدمت میں بھی ایک خط ارسال کیا، جس میں اپنے تعلیمی احوال لکھے اور خط وکتابت کے متعلق تحریر کیا کہ کس ایڈریس پر آنجناب کو خط مل سکتا ہے، نیز دعاؤں کی درخواست کے ساتھ نصیحت طلب کی، جس پر مندرجہ ذیل مکتوب گرامی شرف صدور لایا:

۱-۲۳/نومبر ۱۹۹۳ء

برادرم محمد مسعود مظفری سلمہ......سلام مسنون!

امید ہے کہ بخیر وعافیت ہوں گے، آپ کا خط ملا، مسرت ہوئی، مدرسہ سید احمد شہیدؒ میرا کبھی کبھی جانا ہوتا ہے، ڈاک ندوہ کے پتہ پر ہی آتی ہے، اس خط کے جواب میں دیگر مصروفیات کی وجہ سے تاخیر ہوگئی، طالب علمی کے زمانہ میں درسی کتب پر اصل محنت صرف کرنی چاہئے، استعداد پختہ بنانا بہت ضروری ہے، اس کے بعد اگلے مرحلے آسان ہوجاتے ہیں، والسلام

دعا گو

سلمان الحسینی

اس کے بعد ایک دوسرا خط ارسال کیا، جس میں اپنی تعلیمی مشغولیات کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا کہ آپ سے رائے پور کی آمد پر ملاقات بھی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ انشاء اللہ شعبان میں ملاقات کے لیے حاضر ہوں گا، نیز دعاؤں کی بھی درخواست کی تھی، جس پر حضرت مولانا کا یہ گرامی نامہ موصول ہوا:

۲-برادرم سلمہ اللہ تعالی...... سلام مسنون!

امید ہے کہ بخیر وعافیت ہوں گے، تمہارا خط ملا، پڑھ کر مسرت ہوئی، معلوم ہوا کہ رائے پور میں ملاقات ہوئی تھی، بزرگوں کی جگہ پر ملاقات ہونا بھی انشاء اللہ فال نیک ہے۔

شعبان میں آنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، ضرور آئیں، اللہ تعالی تمہاری دعائیں تمہارے حق میں بھی اور میرے حق میں بھی قبول فرمائے۔ والسلام

۲۶/جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ سلمان الحسینی

اس کے بعد ایک عریضہ تحریر کیا جس میں ندوہ میں داخلہ کی خواہش کا اظہار کیا، کہ کیسے داخلہ ہوگا اور کب ندوہ پہنچا جائے؟ نیز دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت مولانا کا یہ والا نامہ ملا:

۳-برادرم محمد مسعود سلمہ اللہ تعالی......سلام مسنون!

امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔

آپ کا خط ملا، بہت مسرت ہوئی، ندوہ میں داخلہ کے لئے آپ

حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) دامت برکاتہم اور مولانا رابع صاحب مدظلہ العالی کو خط لکھ دیں اور پھر انشاء اللہ شوال کے شروع میں آ جائیں، انشاء اللہ داخلہ ہو جائے گا، اللہ تعالی آپ کو علم وعمل کی دولت سے خوب نوازے (آمین)۔ والسلام

۲۲/رجب ۱۴۱۴ھ سلمان الحسینی

پھر آئندہ سال شوال ۱۴۱۴ھ میں جب مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوا، تو وہاں بھی حضرت مولانا کی زیارت وملاقات ہوئی، بلکہ ایک مرتبہ تو ہمارے درجے میں آ کر بیٹھ گئے اور امتحان لینا شروع کر دیا، پھر انگریزی کی کتاب لے کر اس کو پڑھ کر سنایا، اور عبارت پڑھنے کا طریقہ بتلایا، مگر یہ ملاقات وزیارت سرسری سی ہی تھی، کوئی تعارف نہ ہوا تھا، اس لیے مدرسہ ضیاء العلوم سے پھر ایک خط حضرت مولانا کو بھیجا، جس میں یہ لکھا تھا کہ میں رائے پور سے خط وکتابت کرتا رہتا تھا، اور لکھنؤ آنے کے موقع پر بھی ملاقات نہ ہو سکی، نیز رائے بریلی میں بھی آپ تشریف لائے اور تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی، مزید یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اب بقول غالب یہ خط لکھ کر نصف ملاقات کر رہا ہوں، جس پر حضرت مولانا کا یہ معزز نامہ وارد ہوا:

۴- برادرم محمد مسعود سہارنپوری سلمہ.....سلام مسنون!

خدا کرے تم بخیر وعافیت ہو

تمہارا خط مورخہ ۱۶/محرم الحرام ملا، خط ہی سے یہ معلوم ہوا کہ تم رائے پور سے خط لکھتے رہتے تھے، لیکن شوال میں لکھنؤ آئے، تو ہم سے ملاقات نہ ہو سکی، پھر ضیاء العلوم میں عالیہ اولی میں تمہارا داخلہ ہو گیا، پھر دو مرتبہ ہمارا ضیاء العلوم آنا ہوا، لیکن ملاقات نہ ہوئی، یا بہت ہی سرسری ہوئی کہ کوئی تعارف نہ ہو سکا، خیر اب تم نے نصف ملاقات بذریعہ خط کی اور ہماری طرف سے بھی خط جا رہا ہے، تو یہ کل ملاقات ہو جائے گی۔

اب رائے بریلی آنا ہو تو ملنا اور تعارف کرانا یا لکھنؤ آنا ہو تو ملنا، اساتذہ اور ساتھیوں کو سلام کہو۔ والسلام

۲۳/۱/۱۴۱۵ھ سلمان الحسینی

آئندہ سال جب ندوۃ العلماء لکھنؤ میں آنا ہوا، تو آپ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، آپ کے خطبات اور تقریریں بھی سننے کا موقع ملتا رہا اور فضیلت کے درجہ میں آ کر آپ سے بخاری شریف کی "کتاب المغازی" پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اس طرح اللہ تعالی نے آپ کی نیاز مندی کو شاگردی سے بدل دیا، آپ کے درس کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے درس میں کبھی اکتاہٹ نہیں ہوتی، آپ درس کا خلاصہ پہلے اپنے البیلے انداز میں بیان فرماتے ہیں اور مشکل سے مشکل عبارت اور مسئلے کو چٹکیوں میں سلجھاتے ہیں اور ۴۰/۴۵ منٹ کا گھنٹہ لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے، اللہ تعالی نے آپ کو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ باطنی جاہ وجلال سے بھی نوازا ہے، اور آپ کو خطابت کا بھی وہ ملکہ عطا فرمایا ہے کہ چاہے عربی زبان میں خطاب فرمائیں یا اردو میں، تسلسل ہوتا ہے، روانی ہوتی ہے اور خطابت کا اتار چڑھاؤ، الفاظ ومعانی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوتا ہے، گویا الفاظ وکلمات آپ کے سامنے صف بستہ کھڑے نظر آتے ہیں، آپ گھورتے گرجتے، برستے اور لرزتے ہیں، باطل کو للکارتے اور جھنجھوڑتے ہیں، سننے والوں میں خموشی کا ماحول ہوتا ہے، اور ایک سماں سا بندھ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اڑتے پرندے بھی کچھ لمحوں کے لیے ٹھہر گئے ہیں۔

غرضیکہ آپ اردو وعربی کے سحر البیان ادیب وخطیب ہیں، قرآن کریم کی آیات کا استحضار اور برمحل ان کا پیش کرنے کا انداز اور خواہ آیت کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو تلاوت کرنے کے بعد ترجمہ ایسا تسلسل کے ساتھ کرتے ہیں کہ آیت کے ٹکڑے کو عام خطباء کی طرح دہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ آپ کی کثرت تلاوت کی برکت ہے، آپ جہاں جاتے ہیں، جس جگہ آپ کا خطاب ہوتا ہے، آپ کی تقریر سننے کے لیے لوگوں کا جم غفیر ہوتا ہے۔

اللہ تعالی نے آپ کو علمی وتدریسی اور خطابی صلاحیت کے ساتھ ساتھ انتظامی وتحریکی صلاحیت بھی خوب خوب عطا کی ہے، چنانچہ آپ نے فراغت کے فوراً بعد جمعیۃ شباب الاسلام کے نام سے ایک تحریک

بھی لکھنؤ میں قائم فرمائی تھی، جو اپنے مقاصد میں کامیاب روبہ عمل اور ترقی پذیر ہے، جس کے تحت حضرت مولانا نے بہت سے مدارس قائم کئے اور بہت سی مساجد بنائیں اور جامعہ سید احمد شہید کے نام سے کٹولی (لکھنؤ) میں ایک بڑا تعلیمی ادارہ قائم فرمایا جو ندوۃ العلماء کی ممتاز ترین شاخوں میں شمار ہوتا ہے، اس طرح حضرت مولانا ایک کامیاب مدرس و معلم، کامیاب ادیب وخطیب، کامیاب مصنف ومترجم اور کامیاب منتظم ومفکر ہیں، آپ نے مختلف موضوعات پر عربی اور اردو میں تصانیف بھی کی ہیں اور یہ سلسلہ الحمدللہ ابھی جاری ہے۔

آپ کا خاندانی تعلق سادات حسینی سے ہے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد طاہر صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور آپ کی والدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے برادر اکبر حضرت مولانا سید عبدالعلی حسنی کی صاحبزادی تھی، اس طرح حسنی اور حسینی خون آپ کی رگ وریشے میں ہے، غالباً ۱۹۵۷ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد ریاض یونیورسٹی سے بھی تکمیل تعلیم کی، اس کے بعد سے ندوۃ العلماء میں مستقل استاذ حدیث وادب ہیں۔

حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرپرستی اور تربیت آپ کو برابر حاصل رہی ہے، حضرت مولانا آپ پر اعتماد کرتے تھے اور آپ کو اپنا نمائندہ بھی بنا کر بھیجتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا کے زمانے ہی میں آپ کی شہرت ہند وبیرون ہند میں ہوگئی تھی، حضرت مفکر اسلام کی وفات کے بعد آپ کو حضرت رائے پوری کے ایک خلیفہ حضرت مولانا شاہ انور نفیس حسینی لاہوریؒ نے اجازت وخلافت بھی مرحمت فرمائی، اس طرح اللہ تعالی نے علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی کی دولت سے بھی آپ کو نواز دیا۔

حضرت مولانا کو سہارنپور کے ایک سفر کے دوران اپنے ادارہ میں حاضری کی بھی دعوت دی، تو حضرت مولانا بہت تھوڑے وقت کے لیے ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' مظفرآباد تشریف لائے ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ'' اور ''جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات'' کا بھی معائنہ فرمایا، اس کے بعد جب راقم نے ۲۰۰۶ء میں مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ایک دینی، دعوتی ماہنامہ نکالنے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا کو ایک خط لکھا اور مولانا سے رسالہ کے لیے پیغام لکھنے کی درخواست کی، جس پر حضرت مولانا نے مندرجہ ذیل پیغام تحریر کرکے ارسال فرمایا:

۵- برادرم مولوی مسعود عزیزی زید لطفہ......سلام مسنون!

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں!

آپ کا خط ملا، اس خوشخبری کے ساتھ کہ آپ ایک ماہنامہ ''مفکر اسلام'' کے نام سے نکالنے والے ہیں، اس نام کو ذومعنیین سمجھا جائے، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کی بناء پر بھی اور خود فکر اسلامی کا ترجمان اور داعی ہونے کی حیثیت سے بھی، امت میں فکر سازی کی بھی ضرورت ہے اور علمی تحریک کی بھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں دعوت اسلامی کے بہترین نمائندہ تھے، اور فکر اسلامی کے معتدل ومتوازن ترجمان، ان کے افکار کی نشر واشاعت بذات خود فکر اسلامی کی خدمت ہے۔

آپ نے ''نام نیک رفتگاں ضائع مکن'' پر عمل کیا، اللہ تعالی آپ کو اس کی برکات سے متمتع فرمائے۔ والسلام

۲۰/ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ سلمان الحسینی

مگر اللہ تعالی کی مصلحت وحکمت (جس کو کوئی نہیں جانتا) کہ رسالہ مفکر اسلام کی بجائے سرکاری طور پر ''نقوش اسلام'' منظور ہوا، اور اس کو تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے سراہا۔

اللہ تعالی حضرت مولانا کا فیض تادیر قائم اور جاری وساری رکھے اور ان کی عمر میں خیر وعافیت کے ساتھ برکت عطا فرما کر ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے اور اس سیاہ کار کو اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما کر اپنے اخص الخاص بندوں کے زمرے میں شامل فرمائے اور ایمان کامل پر خاتمہ فرما کر اپنی رضامندی نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین

زبان وادب

مولانا آزاد کی تحریروں میں عربی کے اثرات "غبار خاطر" کی روشنی میں

مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی مدرسہ فلاح المسلمین تیندوہ امین نگر رائے بریلی

اردو زبان ایک مخلوط زبان ہے، عربی، فارسی، انگریزی وسنسکرت وغیرہ کے الفاظ کم وبیش جا بجا نظر آتے ہیں، ہندوستان کے اسلامی عہد میں یہاں کی سرکاری وعوامی زبان فارسی رہی، شاہ عالمگیر کے عہد میں اردو زبان کا خاکہ تیار ہوا، اگر چہ اس کی داغ بیل بہت پہلے پڑ چکی تھی، پھر جہانگیر کے زمانہ میں اس زبان نے اور برگ وبار پیدا کئے اور شاہجہاں کے دور میں اردو اور فارسی کے اختلاط نے اور بھی زیادہ وسعت حاصل کی۔

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم "شعر الہند" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اردو زبان کا مکمل خاکہ اگر چہ عالمگیر کے زمانہ میں تیار ہوا، لیکن اس زبان کی داغ بیل عالمگیر کے زمانہ سے بہت پہلے پڑ چکی تھی، اور تیمور کے زمانہ تک دکن میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلاط سے ایک مستقل زبان پیدا ہو کر ان تمام شہروں میں پھیل چکی تھی جو مسلمانوں کے زیر اقتدار تھے"۔

پھر اردو زبان نے ترقی کی تو اردو ادب وجود میں آیا، ادب کیا ہے؟ اس کا جواب پڑھئے پروفیسر محمد محسن عثمانی ندوی کے شگفتہ قلم اور شستہ تحریر میں: "ادب عربی کا لفظ ہے، ابتداء میں ادب کا لفظ پسندیدہ اخلاقی روش کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا، بعد کی صدیوں میں یہ لفظ علوم وافکار کے لیے استعمال ہونے لگا، کیونکہ انھیں سے انسان زیور اخلاق سے آراستہ ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ تقریر وتحریر کا فن ادب کا ہم معنی لفظ بن گیا"۔

اگر چہ مجھ جیسے اردو کی ابجد سے نا آشنا طالب علم کا مولانا آزاد پر کچھ لکھنا بڑی جرأت وجسارت کی بات ہے، بلکہ آفتاب کو آئینہ دکھانے کے مرادف ہے۔

پھر کچھ باتیں تحریر کی جاتی ہیں، ممکن ہے کہ کسی کے کام کی ہوں۔

مولانا آزاد ایک عبقری انسان، ایک نابغۂ روزگار شخصیت کے مالک تھے، اور ایک ایسے فاضل یگانہ تھے جس نے بقول خود رب المشرقین والمغربین کے مدرسہ سے سند حاصل کی تھی، نام احمد، کنیت ابوالکلام، لقب محی الدین ہے، ابوالکلام سے شہرت پائی اور امام الہند کہلائے، پورا نام محی الدین احمد ابوالکلام دہلوی ہے، ذہانت، طباعی، حاضر دماغی اور قوت حافظہ میں بے مثال تھے، اس کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو، مولانا دریابادیؒ کے الفاظ میں:

"اپریل ۱۹۱۲ء میں سید رضا مصری لکھنؤ ندوہ میں بحیثیت صدر مجلس کے آئے، ظاہر ہے کہ ان کا برجستہ خطبہ عربی میں تھا، مولانا ابوالکلام بھی سامعین میں تھے، اصلی تقریر کے معاً بعد انھوں نے اس کا ترجمہ ایسا رواں اور فرفر کر دیا کہ اوروں کے ساتھ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حیرت ہوگئی"۔

ملکی سیاسیات کی صف اول میں ۳۰/۳۵ سال رہے، جواہر لال نہرو، مولانا آزاد کی سوجھ بوجھ اور عقل سیاسی کے بہت قائل تھے، اسی وجہ سے انھیں چھ مرتبہ جیل بھی جانا پڑا، پوری مدت قید دس برس سات ماہ ہے، مولانا نے غبار خاطر مکتوب نمبر ۶ رصفحہ ۳۳ ر پر اس کی تفصیل خود لکھی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کی شخصیت ہشت پہل تھی، خلاق

عالم نے مجتہدانہ دماغ بخشا تھا، اور عربی واسلامی علوم پر کامل دستگاہ نصیب فرمائی تھی، ایک اقتباس پڑھئے صاحب طرز انشاء پرداز ادیب مولانا دریابادیؒ کے قلم سے:

''مولانا نے علوم عربی اسلامی کی تحصیل وتکمیل با قاعدہ کی ہو یا نہ ہو، بہرحال ان کی نظر کہنا چاہئے کہ سارے علوم دینی پر وسیع ومحیط تھی، اور دماغ مجتہدانہ لے کر آئے تھے، آخر عمر میں اخلاقی حیثیت سے بڑے پاکیزہ ہو گئے تھے، اور عمر میں پختگی اور سنجیدگی آ جانے سے شوخی وظرافت پر قابو حاصل ہو گیا تھا''۔

آزاد صاحب کی حسن تقریر وحسن تحریر کے کیا کہنے وہ تو زبان وقلم کے تھے ہی بادشاہ، ملاحظہ ہو تبصرہ کا ایک اقتباس مولانا دریابادی کے نوک قلم سے، موتی کی طرح ڈھلے اور آب تسنیم سے دھلے ہوئے الفاظ میں:

''حسن تقریر میں بے مثال تھے، پہلے تقریر اور زیادہ جوشیلی ہوتی تھی اور بعض لفظ اور فقرے ناملائم بھی زبان سے نکل جاتے تھے، رفتہ رفتہ اس پر انہوں نے قابو حاصل کر لیا، اور تقریر بڑی صاف، شستہ، پر مغز، مدلل ومصالحانہ ہونے لگی تھی، اردو زبان کے وہ ادیب ہی نہیں، ایک صاحب طرز انشاء پرداز تھے، اور جو رنگ انشاء ان کا تھا اس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہ ہو سکا، بڑا ہی ظلم ان لوگوں نے کیا جنھوں نے اردو زبان وادب کی تاریخیں لکھی، اور مولانا کو برابر نظر انداز کیا ہے، یہ ظلم مولانا اور اردو زبان پر تو ہوئی ہی ہے، خود اپنے اوپر بھی ظلم ان کے لکھنے والوں نے کیا، پہلے تحریریں عربیت آمیز اور ثقیل ہوتی تھیں، آخر میں تحریر بڑی سلیس اور عام فہم اردو میں ہونے لگی تھیں۔

۱۹۳۱ء وہ زمانہ ہے جس میں مولانا ابو الکلام آزاد کی شہرت ومقبولیت کا آفتاب نصف النہار پر تھا''الہلال''والبلاغ'' کا گھر گھر چرچا تھا، ہر پڑھے لکھے مسلمان کی زبان پر''تذکرہ'' اور''ترجمان'' کا نام تھا، مولانا کے علمی کاموں کا مرکز کلکتہ سے لے کر جہاں جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے، مولانا کے نام کی دھوم تھی، ۱۹۲۱ء میں ''الہلال'' جاری ہوا، تو شائقین اور قدرداں کس والہانہ انداز میں اس کا استقبال کیا، اس کا اندازہ مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے اس بیان سے ہوتا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں''ہفتہ کے جس روز کلکتہ کی ڈاک آتی تو ہم لوگ پیادہ پا اپنے گاؤں سے چل کر لاہور آیا کرتے تھے، کہ ''الہلال'' کے حصول میں تاخیر نہ ہو''۔

آزاد صاحب نے اردو صحافت کا ایک بالکل نیا اور شاندار باب کھولا، مدتوں دین وقرآن کی خدمت اپنی بصیرت اور ادراک کے مطابق کرتے رہے، اردو ادب وانشاء میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، جس میں ان کا اس میدان میں کوئی سہیم وشریک نہ تھا، اور نہ انھوں نے اپنا کوئی جانشیں چھوڑا۔

مولانا کا دامن حیات علم وعمل دونوں کے رنگا رنگ جواہر پاروں سے بھرا ہوا تھا، اس ایک زندگی میں کوئی زندگیوں کی گرمجوشیوں اور ہنگامہ آفرینیوں کی بجلیاں کارفرما تھیں، اللہ تعالی کے فضل لایزال سے بہت بلند مقام عطا ہوا تھا۔

مولانا کے ایک مداح وعقیدت مند مولانا غلام رسول مہر مرحوم اس تعلق سے اپنے موئے قلم کو کچھ یوں جنبش دیتے ہیں:''مولانا آزاد فضائل ومکارم، علم وفضل کا ایک عجیب پیکر تھے، ان کا ہفتہ وار اخبار ''الہلال'' ۱۴/۱۹۱۳ء میں ابر بہار کی طرح فضائے کلکتہ پر نمودار ہوا، اور چند ہی مہینوں میں ایسی شہرت وہر دلعزیزی حاصل کر لی، جو نہ پہلے کسی کو ہوئی تھی اور نہ بعد میں حاصل ہو سکی''۔

مولانا آزاد کے قلم سے نکلے ہوئے بعض فقرے علمی فارمولے اور زبان میں محاروں کی حیثیت سے قبول کیے جاتے تھے، اور حق یہ ہے کہ بعض باتیں تھیں اسی لائق، مولانا کے اسلوب میں ہر لفظ نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے، ہر عبارت مستحکم اور مربوط لالہ وگل کے تختہ کے مانند ہے جس سے آرائش چمن ہوتی ہے، ہر سطر دامن باغباں اور کف گل فروشاں کا منظر پیش کرتی ہے، کسی ایک لفظ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹانا آراستگی کا خون کرنا ہے۔

مولانا آزاد کا اسلوب کہیں آتش گل ہے، کہیں شعلہ طور ہے، کہیں شاخ گل ہے اور کہیں تلوار ہے؛ لیکن اس بوقلمونی کے باوصف بعض خصوصیات ہر جگہ یکساں ملتی ہیں، عربی زبان کے کلمات کے حروف اصلیہ کی طرح جو تمام مشتقات میں شکل ووزن کی تمام تبدیلیوں کے باوجود باقی وبرقرار رہتے ہیں۔

ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس مرحوم نے اپنی کتاب ''نگارشات'' میں کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

''ابوالکلام اردو کی تقلید ایک فیشن بن گئی تھی، مولانا تحریر وتقریر دونوں کے بادشاہ تھے، تحریر میں بکثرت عربی کی ترکیبیں اور فارسی کے الفاظ اور علمی اصطلاحیں ہوتی تھیں، ان کو سمجھنے والے لطف لیتے اور نہ سمجھنے والے بھی سر دھنتے تھے، فارسی اشعار تو تحریر میں اس طرح پیوست ہوتے کہ ایسا لگتا کہ جیسے اس شعر کے لیے یہ نثر لکھی گئی ہے، یا یہ شعر اسی نثر کا جزء ہے، غالب کی طرح مولانا بھی مذاق عام کی پیروی سے گریز کرتے اور اپنی اچھوتی راہ الگ نکالتے، مولانا حسرت موہانی کا یہ شعر حقیقت کا ترجمان ہے۔

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزہ نہ رہا

مولانا آزاد کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مقبولیت ''غبار خاطر'' کو حاصل ہوئی اور اس مقبولیت کا راز اسلوب کے جمال اور انشاء پردازی کے جمال میں پوشیدہ ہے، ورنہ اس کی تہہ میں نہ کوئی در مکنون ہے، نہ کوئی گوہر نایاب، انشاء پردازی کی قوت بے مثال نے چڑے اور چڑیے کی کہانی میں بھی حیرت انگیز کشش رکھ دی ہے اور اسلوب کا جمال دل افروز دامن دل کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

پروفیسر محسن عثمانی ندوی ''مطالعہ شعروادب'' میں اپنے نوک قلم کو یوں حرکت دیتے ہیں:

''غبار خاطر'' مولانا کے عہد شباب کی نہیں؛ بلکہ عہد پیری کی یادگار ہے، یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو قلعہ احمد نگر کے جیل میں مکتوب الیہ کے لیے لکھے گئے تھے، اس میں انشاء نگاری ہے، حکایت زاغ وزغن ہے، چڑے اور چڑیا کی کہانی ہے، افسانہ گل وبلبل ہے۔

غبار خاطر قید خانہ کے اندر مولانا کی گل افشانی گفتار کا نمونہ ہے، یہاں ذکر بہار اور یاد کاروان بہار ہی کی گنجائش نکل سکتی ہے، ''الہلال'' کے برعکس اس کتاب میں سہل نگاری ہے، جملے عربی اور فارسی ترکیبوں سے بہت زیادہ گراں بار نہیں، مولانا کی ادبی عظمت کا راز اس میں بھی ہے کہ انھوں نے کئی رنگ اور کئی آہنگ کا نمونہ پیش کیا ہے؛ لیکن اسلوب کی دلکشی اور رعنائی اس کی عظمت اور اس کا وقار ہر جگہ قائم ہے، یا ایسا سمجھئے کہ خورشید زرنگار کے مانند ہے۔

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

☆ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

☆ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

☆ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

☆ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

انکشاف

مغرب کی تصوف نوازی چہ معنی دارد؟

مولانا سلمان نسیم ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

امریکی سفیر ''فرنسیس ریچارڈونی'' حسب سابق طنطا (مصر) میں احمد بدوی کی عرس میں شریک ہوئے ، اس موقع پر آں محترم نے طرقہائے تصوف اور اس کی روحانیت سے اپنی گرویدگی اور فریفتگی کا اظہار کیا، یونیسکو نے ۲۰۰۷ء کو جلال الدین رومی کے سال کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا اور محترم بش نے مولانا روم کے اشعار کو سراہا۔

گذشتہ چند مہینوں کی میڈیا کی یہ چند اہم سرخیاں ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سی اہم اطلاعات ہیں جن کا اگر خلاصہ کیا جائے تو ''مغرب کی تصوف نوازی'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

مغرب کی یہ تصوف نوازی کیا ایک خوش آئند اقدام ہے؟ یا روحانیت کی چوکھٹ پر مادیت کی جبیں سائی ہے؟ یا مغرب کے کھوکھلے معاشرہ اور دیمک زدہ تہذیب کی شکست وریخت کا اعلان ہے؟ یا پھر اس کے پس پشت کوئی اور طاقتور عامل ہے، جس کا ادراک ہماری ظاہر بیں نگاہیں کرنے سے قاصر ہیں؟ ان سوالات سے پردہ اٹھانے کے لیے ہم کو پیچھے پلٹنا ہوگا۔

اسلامی نصاب تعلیم یا اسلامی نظام میں مغربی مداخلت یا اصلاح کے مطالبہ کے سلسلہ میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نائن الیون کے بعد کی پیداوار ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی تاریخ پرانی ہے، کامب ڈیوڈ معاہدہ ۱۹۷۹ء مڈریڈ کانفرنس اور اوسلو معاہدوں کے زمانہ ہی سے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی صدا مسلسل لگائی جاتی رہی ہے، امریکی اور صہیونی لابیاں اسلام کے ان آخری قلعوں کو ڈھانے کے لیے متعدد ذرائع اپناتی رہی ہیں، جن میں سے بعض کی طرف یہاں صرف اشارے کیے جاتے ہیں:

۱- قرض اور امداد: بین الاقوامی رفاہی ادارے دینی مدارس کو قرض، امداد، نصاب میں تبدیلی، اصلاح یا حذف واضافہ اور حک وفک کی شرط پر دیتے رہے ہیں۔

۲- عالمی تعلیمی ادارہ یونیسکو: ۱۹۹۰ء یعنی سویت یونین کے زوال سے قبل بین الاقوامی نظام کے دوقطبی ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر نہیں تھا، سوویت یونین کے سقوط کے بعد تعلیمی میدان میں اب اس کی ہر شرط (معقول وغیرہ معقول) کو حکم کا درجہ دیا جانے لگا ہے۔

۳- بین المذاہب ڈائلاگ: بین المذاہب ڈائلاگ کے عنوان سے تبدیلی نصاب کا مشورہ دیا جاتا رہا ہے تاکہ بین المذاہب گفتگو زیادہ کھلی اور خوشگوار فضا میں انجام پاسکے۔

۴- جلسے اور کانفرنسیں: مختلف ممالک میں جلسے اور کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں، جس میں کبھی کھل کر اور کبھی خفیہ تبدیلئ نصاب کی دعوت دی جاتی رہی، دسمبر ۲۰۰۲ء میں جرمنی کے توسط سے بیروت میں منعقد اجلاس بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

۵- گلوبلائزیشن: گلوبلائزیشن جس طرز ثقافت کا داعی ہے، اس میں تبدیلی نصاب کو اہم رول تسلیم کیا گیا، چنانچہ اقتصادیات کے موضوع پر منعقد جلسوں میں مسلسل اس موضوع پر مناقشہ ہوتا رہا ہے، ۱۹۷۹ء میں یونیسکو کی نگرانی میں کام کرنے والی ایک تنظیم کے ایک دستور میں یہ صراحت موجود ہے ''نصابی کتابوں کے مرتبین ومؤلفین کو اقدار وروایات کے سلسلہ میں اشارۃً یا صراحتاً حکامات جاری کرنے

کی اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح ایسا اسلوب پسند نہیں کیا جائے گا، جس میں دین آئیڈیل یا بطور ہدف پیش کیا گیا ہو''۔

اسی طرح اکتوبر ۱۹۷۹ء میں ایک دستور میں اس کی وضاحت اس طرح آئی ہے ''نصاب تعلیم میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ طالب علم کے ذہن ودماغ میں مذاہب کی تعلیم اس طرح اتاری جائے کہ وہ دین کے بنیادی مقاصد سے غافل رہے اور ان پہلوؤں پر ترکیز ہونی چاہئے جس میں بین المذاہب جوڑ اور ہم آہنگی پر زور ہو، وہ نصابی کتابیں جن کے منہج تالیف میں دین کی بنیادی مضامین پر ترکیز اور اس کو ذہن ودماغ میں راسخ کرنے کو ترجیح دی گئی ہے، ان کا جائزہ لینا ضروری ہے اور یہ کام اس فن کے ماہرین انجام دیں گے، اسی طرح ایک مذہب کی کتاب کا جائزہ دوسرے مذاہب کے افراد لیں گے، بلکہ اس میں سیکولر افراد بھی شریک ہوں گے''۔

عالم اسلام کے دینی اداروں کے نظام تعلیم ونصاب تعلیم میں مذکورہ طرز کی تبدیلی کا اکلوتا مقصد اسلام کے روح انقلاب کو کچلنا ہے، مغرب کی موجودہ تصوف نوازی دراصل عالم اسلام کو سامراج کے دیو کے لیے لقمہ تر بنانے کے لیے دوسرا اقدم ہے۔

قبل اس کے کہ امریکہ کی تصوف نوازی کے پس پشت کار فرما عوامل ومحرکات کا جائزہ لیا جائے، یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلامی ادوار کے ہر دور میں امت مسلمہ کی ایک بڑی جماعت ایسی موجود رہی ہے جنہوں نے تصوف کو اپنایا ہے اور انہوں نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ کی بڑی خدمت انجام دی، اور انہوں نے تمام انسانی جذبات کی تعلیم اور احترام کے باوجود باطل وطاغوتی طاقتوں سے سودا کو کبھی اور کسی قیمت پر روا نہیں رکھا، اس وقت موضوع گفتگو تصوف کے یہ پیشوا نہیں؛ بلکہ وہ نام نہاد نمائندے ہیں جو دشمنان اسلام کے ادنی حاشیہ بردار ہیں اور ان کے دسترخوان کرم کے ریزہ چین ہیں۔

امریکہ کی تصوف نوازی کا واحد مقصد عالم اسلام میں ''صوفیانہ اسلام'' کو بطور نمونہ اور آئیڈیل پیش کرنا ہے، حال میں متعدد امریکی اور مغربی تحقیقات منظر عام پر آچکی ہیں، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ اسلام کے انقلابی افکار کو صوفیانہ افکار ورجحانات سے ٹکرا دیا جائے، اس طرح اسلام کی انقلابی روح کو لگام دیا جاسکتا ہے، خود امریکی صدر بش کا بھی یہی خیال ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں امریکہ کے تحقیقاتی اداروں میں یہ تحقیق پیش کی گئی ہے کہ ''معتدل اسلام'' کی افزودگی اور افزائش کے لیے تصوف کی تشجیع اور ہمت افزائی ضروری ہے، امریکی کانگریس کی ایک کمیٹی کی ایک قرارداد میں بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے، انہی تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ اس وقت مغرب میں جو دینی کتابیں سب سے زیادہ مقبول اور متداول ہیں ان میں محی الدین بن عربی او رجلال الدین رومی کے اشعار کو تفوق وامتیاز حاصل ہے۔

اسی پس منظر میں ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۳ء میں امریکہ میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی، جس کا عنوان تھا ''تصوف اور امریکی سیاست میں اس کا مثبت رول کا جائزہ'' یہ کانفرنس نائن الیون کے دوسال اور سقوط بغداد کے چند مہینوں بعد ہی منعقد ہوئی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ امریکی پالیسی ساز کے سامنے ''معتدل اسلام'' یا ''کلچرل اسلام'' کا خاکہ پیش کیا جائے، اس کانفرنس کا انعقاد بھی امریکی وزارت دفاع کے سایہ میں ہوا تھا، اس کے نمایاں شرکاء میں پروفیسر بیرنارڈ لویس بھی تھے، جو نیوجرسی کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں، عراق جنگ کی پالیسی میں ان کا اہم کردار تھا، ان کی اسلام دشمنی ان کی تحریروں سے نمایاں ہے، اس کانفرنس میں شیخ احمد قبانی بھی شریک تھے، جو امریکہ کی اسلامی کونسل ISCA کے نائب صدر ہیں، اس کونسل کی بنیاد ۱۹۹۷ء میں ڈالی گئی تھی، شیخ احمد قبانی کا تعلق نقشبندیہ طریقہ سے ہے، اس کونسل کے مقاصد میں امریکہ اور دنیا کے دوسرے گوشہ میں مسلمانوں کے مستقبل کے خاکہ کو پیش کرنا ہے، شیخ احمد قبانی نے ۱۹۹۹ء میں امریکی وزارت دفاع میں ایک محاصرہ ''اسلامی انتہاپسندی اور امریکی امن وامان پر اس کے خطرناک اثرات'' کے عنوان سے دیا تھا محترم نے اپنے محاصرہ میں

فرمایا تھا: ''یہ کونسل دینی انتہا پسندی اور دہشت گردانہ نظریات کی بیخ کنی میں اہم رول ادا کرے گی''۔

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغرب تصوف کو اسلام کی انقلابی روح کو کچلنے کے لیے مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

مغرب کی تصوف نوازی کے اسباب وعوامل:

مغرب کی موجودہ تصوف نوازی کے تین بنیادی اسباب وعوامل ہیں:

ا- تعلیمات ''محبت'' اور ''تسلیم ورضا'' کا استغلال:

اہل تصوف کے نزدیک روحانیت، معنویات یا واردات قلت کو ایک خاص مقام اور توجہ وعنایت حاصل ہے، یہ توجہ اس وقت تک پسندیدہ ہے جب وہ شرعی دائرہ میں ہو اور شریعت کی بنیادی اصول سے متصادم نہ ہو، اس پس منظر کی رعایت کے ساتھ اہل تصوف کے یہاں ''محبت وانسانیت'' اور ''تسلیم ورضا'' کے عناصر ملتے ہیں، محبت وانسانیت بلا شبہ اسلام کا جوہر ہے؛ لیکن بعض نفس پرستوں نے محبت وانسانیت کی اس تعلیم کا استغلال کیا ہے اور اس کے دائرہ کو اتنا وسیع کر دیا ہے جہاں وہ اصول اسلام "الحب فی الاسلام والبغض فی الاســــلام" (اسلام کی خاطر محبت اور اسلام کی خاطر عداوت) سے متصادم نظر آتا ہے، ان کے نزدیک یہ دائرہ وسیع ہو کر اللہ کے دشمن اور دوست کے فرق کو مٹا دیتا ہے، دوسرے لفظوں میں اس کو 'وحدۃ الوجود' کا نظریہ کہا جا سکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کا وجود مطلق کائنات کی شکل میں ظہور پذیر ہے، یہ نظریہ اس پر منتج ہوتا ہے کہ تمام مذاہب حق ہیں، اس لیے کہ تمام معبودان خدا ہیں اور کائنات کی ہر چیز خدا کی ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''الولاء والبراء'' اللہ کے لیے دوستی اور اللہ ہی کے لیے علیحدگی کا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے، اگر چہ یہ فکر ہمہ گیر ہو جائے تو یہ مغرب کی بڑی کامیابی ہوگی اور اس کے نظریات سے کوئی متصادم نظریہ ارض گیتی پر قائم نہ رہے گا، اسی تناظر میں امریکی صدر بش نے اپنے ایک خطاب میں مولانا روم کے اشعار سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا، چراغ مختلف ہیں لیکن روشنی ایک ہے، مولانا روم کا یہ نظریہ دراصل محبت وانسانیت کو ایک وسیع افق عطا کرتا ہے لیکن اس کا مقصد ہرگز وہ نہیں ہے جو صدر بش اور ان کے ہم نوا پیش کرنا چاہتے ہیں، صوفیائے حق کے اسی طرز کے دوسرے کلام کا استغلال کر کے اہل مغرب تصوف کو عالم اسلام پر استعمار کو نافذ کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہتا ہے۔

اہل تصوف کے یہاں ایک دوسرا لفظ ''تسلیم ورضا'' مستعمل ہے، بلاشبہ ''تسلیم ورضا'' کا مفہوم اسلامی تناظر میں بہت بلند ہے، بشرطیکہ وہ شرعی حدود کے دائرہ میں ہو، چنانچہ ''رضا'' کا اسلامی مفہوم یہ گوارہ نہیں کرتا کہ دشمنان دین کو غلبہ حاصل ہو، ظلم وزیادتی کا راج ہو، مگر اہل ہوس متصوفین نے اس کو شرعی حدود سے آزاد کر دیا ہے، اور اس کی یہ تشریح کی ہے کہ مسلمان اپنے گردوپیش کے ظلم سرکشی کو بخوشی قبول کر لے، اس کے مقابلہ یا تبدیلی کا خیال نہ پیدا کرے، اسی تناظر میں ایک صوفی (شعرانی) کا یہ جملہ ملاحظہ ہو: ''ہم سے یہ معاہدہ لیا گیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو تلقین کریں کہ وہ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلیں، اللہ تعالی نے جن کو ان پر فوقیت اور غلبہ عطا کیا ہے اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں، خواہ اس کا تعلق دنیاوی سلطنت وحکومت ہی سے کیوں نہ ہو، اللہ تعالی نے اپنی کسی حکمت بالغہ ہی کی بنیاد پر دوسروں کو ہم پر غلبہ اور تفوق سے نوازا ہے، اس لیے اللہ تعالی کی اس مرضی کا پاس ولحاظ ضروری ہے''۔

''تسلیم ورضا'' کے اس غلط مفہوم سے اہل مغرب فائدہ اٹھا کر تصوف کی حقیقی شبیہ بگاڑنا چاہتے ہیں، اہل مغرب کی اس خواہش میں بے راہ روی اہل تصوف کا تعاون حاصل ہے، ایک پرچہ ''المسلم'' کے نام سے نکلتا ہے جو ''العشیرۃ المحمدیہ'' نامی جماعت تصوف کا ترجمان ہے، اس نے ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق جنوری ۲۰۰۶ء کے شمارہ ۵۹۴/ میں لکھا ہے: ''قاہرہ میں امریکی سفیر ریٹشارڈ ڈونی نے صراحت کی ہے

کہ اہل تصوف اور پادریوں کے سلوک واقدار اور اصول ونظریات میں باہم بڑا اشتراک ہے، اس لیے کہ دونوں رواداری، ہم آہنگی، محبت کی عالم گیر تاثیر اور امن وسلامتی کی اشاعت میں محبت کے رول پر یقین رکھتے ہیں، انہوں نے کہا کہ وہ گذشتہ بیس سال سے صوفیانہ فکر سے ذاتی طور پر مربوط ہے، خاص طور پر اس لیے کہ تصوف امریکی معاشرتی فکر کا امین وپاسباں ہے، اور عبادت، عقیدہ کی آزادی، تسامح اور جمہوریت پر یقین رکھتا ہے، اور ہر قسم کے داخلی وخارجی تشدد کو یکسر مسترد کرتا ہے''۔

تصوف کے اسی رجحان کے پیش نظر ''رانڈ'' نے اہل تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ''ان میں سے بیشتر اپنی دینی عقائد اور لادینی حکومت کی دوستی واطاعت میں کوئی تضاد نہیں سمجھتے ''۔

پروفیسر بیرنارڈ لوئیس نے اعتراف کیا ہے کہ مغرب کی یہ کوشش ہے کہ وہ اسلامی تصوف سے مصالحت کرلے، اس کو قوت بہم پہنچائے تاکہ 'دین الگ اور سیاست الگ' کے ضابطہ کے مطابق تصوف کو دینی حلقوں میں بدل کے طور پر پیش کرے اور حقیقی اسلام کو سیاست، معاشیات کے میدان سے اسی طرح الگ کردے، جس طرح یورپ وامریکہ نے مسیحیت کو الگ کردیا ہے، اس کا انکشاف امریکی میگزین US NEUSE نے بھی کیا ہے۔

۲- تصوف اور سامراج :

تصوف میں اہل مغرب کے لیے دوسری کوشش یہ ہے کہ ماضی میں اہل تصوف کا سامراج کے خلاف کوئی نمایاں کردار نظر نہیں آتا، یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اس کشش میں اہل مغرب کے پیش نظر اہل تصوف کی ایک مخصوص جماعت ہے، ورنہ ہماری تاریخ میں ایسی بیشمار مثالیں موجود ہیں جو تصوف کے حقیقی نمائندہ بھی تھے اور سامراج کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بھی، برصغیر ہندوپاک میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں؛ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سے وہ صوفیاء جو اپنے زمانہ میں تصوف کے حقیقی پیشوا تھے، انہوں نے اپنے گردوپیش میں جاری کشمکش سے کنارہ کشی کو ترجیح دی، لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ باطل وطاغوتی طاقتوں کو برحق سمجھتے تھے۔

استانبولی کی کتاب ''کتاب لیست من الاسلام'' صفحہ ۸۷ پر نام نہاد صوفیاء کے تذکرہ میں تحریر ہے:

''فرانسیسی جب تیونس پر استعمار قائم کرنے کی جدوجہد کررہے تھے اس وقت ان کو عوام الناس سے سخت مزاحمت کا سامنا تھا، ایسے موقع پر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کے لیے اہل تصوف کے شیخ سے مفاہمت کی راہ نکالی، دوسرے دن شیخ سر جھکا کر بیٹھ گئے اور لاحول ولاقوۃ کا ورد کرنے لگے، مریدوں نے اضطراب وپریشانی کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا: ''کہ میں نے کل حضرت خضر اور اپنے شیخ ابوالعباس شاذلی کی زیارت کی، دونوں فرانسیسی جنرل کے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے، پھر ان دونوں نے تیونس کی زمام کار ان کو سپرد کردی، اے لوگو! یہ فیصلہ خداوندی ہے، پھر اس مزاحمت کا کیا فائدہ؟ مریدان باصفا نے عرض کیا ہم شیخ ابوالعباس ہی کی تعلیمات کی وجہ سے مزاحمت کررہے ہیں، جب وہ خود راضی ہیں تو پھر جنگ کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد فرانسیسی بغیر کسی مزاحمت کے تیونس میں فاتحانہ داخل ہوگئے''۔

مورخ روم لانڈو نے اپنی کتاب "تاریخ المغرب فی القرن العشرین" صفحہ ۱۳۴ پر میں لکھا ہے: ''افریقہ میں تیجانی طریقہ تصوف کے رائج ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سامراجی طاقتوں نے اہل تصوف کو تقویت فراہم کی، ان پر مال ودولت کو نثار کیا، ان کے اثر ونفوذ کو قائم کرنے میں مدد کی، اور اس طرح بدعت وخرافات کو رواج دے کر دین اسلام کے حقیقی چہرہ کو داغدار کردیا اور سامراج کی راہ میں حائل رکاوٹ کو کمزور کردیا، یورپین نے مال وزر میں اہل تصوف کی رغبت کو بھانپ لیا تھا، چنانچہ انہوں نے اس روح کو جلادی''۔

ڈاکٹر زکی مبارک نے تصوف پر اپنی کتاب میں اور عمر فروخ نے اہل تصوف کے ان بہت سے گروہوں سے نقاب اٹھایا ہے جنہوں نے

عالم اسلام پر سامراج کے غلبہ میں اہم کردار ادا کیا، مصطفی کمال مصری نے اپنی کتاب ''المسالۃ الشرقیۃ'' میں سقوط قیروان کے سلسلہ میں ایک عجیب وغریب حکایت نقل کی ہے، رقمطراز ہیں:

'' قیروان پر فرانسیسی سامراج کے قائم ہونے کے سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک فرانسیسی اسلام میں داخل ہوا اور اس نے اپنا نام ''سید احمد الہادی'' رکھا، علوم شرعیہ کی تحصیل میں محنت کی یہاں تک کہ وہ ایک مسجد کا امام بن گیا، جب فرانسیسی فوجیں قیروان کے قریب آئیں، تو اہل شہر نے دفاع کے لیے کمر باندھ لی، اس کے بعد وہ اس امام کے پاس آئے کہ مسجد کے اندر جو قبر ہے اس سے مشورہ کرلیں، وہ شخص اندر گیا، پھر کہتے ہوئے نکلا شیخ تمہیں ہتھیار ڈالنے کا حکم دیتے ہیں، اس لیے کہ شہر کا سقوط مقدر ہو چکا ہے، لوگوں نے اس کی بات مانی اور فرانسیسی بحفاظت ۲۶/ اکتوبر ۱۸۸۱ء میں شہر قیروان میں داخل ہو گئے''۔

۳- عصر حاضر اور تصوف:

تصوف نوازی اور صوفی ازم کو تقوت وتائید کی تیسری وجہ عصر حاضر میں تصوف اور سامراج کا حلیفانہ کردار ہے، اگر چہ موجودہ دور میں تصوف کے وہ نمائندگان جو مغرب کے حاشیہ بردار ہیں، ان کا دعوی ہے کہ وہ سامراج دوست تصوف سے بری ہیں؛ لیکن یہ ان کا ایک حلیہ ہے، امریکی رائٹر اسٹیفن شوارٹز نے ایک مقالہ تحریر کیا ہے جس کا عنوان ہے ''تصوف کا تعارف'' موصوف نے اس میں ثابت کیا ہے کہ اس وقت دنیا میں دو ہی نظریات کام کر رہے ہیں، ایک وہابی نظریہ جو تنگ نظری پر مبنی ہے اور دوسرا صوفیت کا روشن خیال نظریہ جس میں تمام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں، مسیحیوں، ہندوؤں اور بدھوں کا یکساں احترام موجود ہے، شوارٹز نے انکشاف کیا ہے کہ اس وقت تصوف کا دوسرا بڑا مرکز کردستان ہے، وہاں کے روحانی رہنما صدام کے قتل میں پیش پیش تھے اور وہی اس وقت سامراج کے ہمنوا اور امریکہ کے حلیف ہیں، آخیر میں شوارٹز نے مشورہ دیا کہ تصوف کو لادینی ثقافت اور کلچر کو عام کرنے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (بشکریہ تعمیر حیات ۲۵/ جنوری ۲۰۰۸ء)

❁❁❁❁❁❁

سلام کی فضیلت، افادیت اور اہمیت

- سلام کرنے والے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آپ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو سلام کیا تھا۔
- سلام کا جواب دینے والے سب سے پہلے فرشتوں کی جماعت تھی۔
- سلام ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی سنت ہے۔
- سلام خدا کی دی ہوئی ایک نشانی ہے۔
- سلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے۔
- سلام اخلاص اور اخلاق کا ذریعہ ہے۔
- سلام باہمی دشمنی اور کدورت کو دور کرنے کا آلہ ہے۔
- سلام قدرت کی طرف سے ملا ہوا بہترین تحفہ ہے۔
- سلام ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لیے انمول ہدیہ ہے۔
- سلام کثرت سے کرنا نیکی ہے۔
- سلام محبت کا پیغام ہے۔
- سلام ایمان وسادگی کی علامت ہے۔
- سلام میں پہل کرنا فضیلت وسعادت ہے۔
- سلام کا جواب دینا واجب ہے۔
- سلام اللہ تعالی کا قرب اور اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے
- سلام کا زیادہ فائدہ سلام میں پہل کرنے والے کو ہوتا ہے۔
- سلام کرنے میں جو بخل کرتا ہے وہ لوگوں میں سب سے بڑا کنجوس ہے
- سلام بطریق مسنون السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کرنا چاہئے۔
- سلام کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے دینا چاہئے۔

﴿الحاج منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، سہارنپور﴾

سیرت وسوانح

حضرت حافظ شریف احمد صاحب مظفرویؒ

سابق مہتمم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور ’حیات وخدمات‘

الحاج حافظ منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور

مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کا قیام یکم شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق پہلی جولائی ۱۹۴۶ء یوم دوشنبہ پیر کو حضرت حافظ القاری عبدالرحیم صاحب (ہم سبق حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ) کے مبارک ہاتھوں عمل میں آیا، آپ کا وصال ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۸ء یوم آدینہ صبح ۹ر بجے ہوا، اس طرح بانی مرحوم کا زمانۂ اہتمام دوسال چار ماہ ۲۵ر یوم رہا، آپ کی وفات کے بعد ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۸ء یوم شنبہ سے آپ کے برادرزادہ حضرت حافظ شریف احمد صاحبؒ نے اس مدرسہ کا اہتمام سنبھالا اور ۲۵ر ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۷ر جون ۱۹۹۲ء یوم شنبہ تک بحساب سن ہجری ٹھیک ۴۵ر سال نہایت عمدگی سے چلایا، یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ بانی مدرسہ کا انتقال ۲۵ر ذی الحجہ کو ہوا، حضرت مہتمم صاحب کا وصال بھی ۲۵ر ذی الحجہ کو ہوا، مہتمم صاحب نے ماہ ذی الحجہ دن شنبہ کو اہتمام سنبھالا اور ۴۵ر سال کے بعد ماہ ذی الحجہ دن شنبہ ہی کو کام چھوڑا، اہتمام کے فرائض ابتدائی آٹھ سال میں آپ نے بھی اپنے پیش رو بانی مرحوم کی طرح اعزازی طور پر نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے، ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ سے مشاہرہ مبلغ چالیس روپئے مع طعام طے ہوا، بانی مرحوم نے اپنے پورے دور میں اور حضرت مہتمم صاحب نے شروع کے آٹھ سال میں مدرسہ سے کوئی مشاہرہ نہیں لیا، حسبۃً للہ اخلاص وایثار کے ساتھ خدمات مدرسہ انجام دیتے رہے۔

آپ ایک سیدھے سادے انسان، عمدہ حافظ قرآن، تصنع اور بناوٹ سے بالکل پاک، نام ونمود اور ظاہرداری سے بہت دور، قدرے بھاری بدن، درمیانہ قد، گول اور گلابی خوبصورت چہرہ جس پر گھنی اور سڈول خوشنما داڑھی، کشادہ پیشانی، چہرہ سے شرافت وبزرگی نمایاں طور پر محسوس ہوتی، وضع قطع، رفتار گفتار قیام وطعام میں سادگی اور استقامت، کھانا جو وقت پر سامنے آیا بخوشی کھالیا، کھانے کی چیزوں میں اچار اور ترشی، پھلوں میں امرود، بہت مرغوب تھے، لباس کم قیمت والا پہنتے، لنگی کرتا اور ٹوپی دوپلی استعمال کرتے، سردیوں میں سر پر دستار بھی باندھتے، لباس اور خوراک کی طرح رہن سہن میں بھی سادہ اور تکلفات سے بری تھے، الغرض آپ کی ذات ستودہ صفات نہایت سادہ اور بے تکلف تھی تاہم ایک عجیب قسم کا رعب ودبدبہ ہم سب اساتذہ، طلبہ اور ملازمین پر آپ کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں برابر رہتا تھا۔

حقیقتاً آپ اسم بامسمّٰی، نمونۂ اسلاف واکابر اور سراپا مہر ووفا تھے، آپ کے والد کا اسم گرامی عبدالحکیم تھا، ولادت باسعادت آپ کی خود آپ کے بیان کے مطابق ۱۳۳۲ھ ہے، مظفری قصبہ مظفرآباد، ضلع سہارنپور (یوپی) آپ کی جائے پیدائش ہے، ابتدائی تعلیم جامع مسجد مظفرآباد میں پائی، بعدہ قصبہ رائے پور کی قدیم دینی درسگاہ مدرسہ فیض ہدایت یوسفی جو اب مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کے نام سے مشہور ومعروف ہے، میں اپنے مشفق استاذ حضرت حافظ یوسف علی صاحب پٹلوکری سے کلام پاک حفظ کیا، کتب اردو سے مسائل ضروریہ کی تکمیل کے بعد بہت سی مساجد ومکاتب میں امامت ومعلّمی کے فرائض تقریباً ۲۲ر سال تک انجام دیتے رہے، آخری امامت اور بچوں

کی تعلیم وتربیت اپنے موضع مظفری کی مسجد میں کئی سال کرنے کے بعد ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ میں سبکدوش ہوکر ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ سے مستقل مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کی خدمت کرنے میں لگ گئے۔

مرحوم کے بیعت وارشاد کا تعلق قطب دوراں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ سے تھا، خانقاہ رحیمی رائے پور سے آپ کا گہرا ارادتمندانہ ربط وتعلق تھا، آپ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی خدام اور قریبی متبعین میں شامل تھے، ۱۳۷۶ء میں ''انوار القرآن'' کی سرپرستی کے لیے حاضر خدمت ہوکر جب عرض کیا تو قطب وقت نے بخوشی قبول فرمائی، تھوڑا مراقب ہوکر اس وقت حضرت نوراللہ مرقدہ نے اپنی زبان مبارک سے بحالت بشاشت وانبساط ارشاد فرمایا کہ اچھا بھائی شریف احمد کریں گے تیرے مدرسہ کے واسطے دعا۔

تاحیات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اس مدرسہ کی سرپرستی، دعاؤں، مشوروں اور روحانی توجہات سے فرماتے رہے، جن کے اثرات وبرکات مدرسہ کے ہر شعبہ سے عیاں ہیں، رائے پور تعلیمی زمانہ سے ہی آپ نے حضرت کی گرانمایہ صحبتوں، خدمتوں اور شفقتوں سے جو اصلاحی اور روحانی فیض پایا تھا، اس کا اثر مرحوم کی ذات والا صفات میں یہ تھا کہ کسر نفسی صاف گوئی، سادگی، دینی امور میں جفاکشی، حقوق العباد کی ادائیگی، تلاوت کلام پاک کا ورد، اخلاص وصداقت، امانت ودیانت، تواضع اور انکساری، بے باکی اور بے خوفی، ہر کام میں اللہ پر بھروسہ جیسی صفات حسنہ آپ کے ظاہر وباطن گفتار وکردار میں بدرجہ اتم موجود تھیں، ان اعلی خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کی برکت سے آپ مدرسہ کے کام سے جہاں جاتے فائز المرام لوٹتے، ہر جگہ آپ کی قدر وعظمت اور پذیرائی ہوتی، اپنی کسی بھی چھوٹی بڑی خدمت وکامیابی والے کارناموں کا اشارہ کنایہ تک میں تذکرہ نہ فرماتے؛ بلکہ اخفاء فرماتے، اگر دوسرے احباب بھی آپ کی کسی خوبی کا ذکر کرتے تو خوش نہ ہوکر سختی سے منع فرماتے ہوئے یوں کہتے کہ یہ مجھے گمراہ کرنے والی باتیں ہیں، قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ معمول رہا، بیماری کی حالت میں بھی اپنا کلام پاک جو جلی حروف میں تھا مدرسہ سے منگوا کر جب تک ہمت وہوش رہا تلاوت کرتے رہے، نماز کا وقت ہوتے ہی کہنے لگتے بھائی مجھے وضو کرا کر نماز پڑھواؤ، مجھے نماز کے لیے اٹھاؤ، حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری دامت برکاتہم عیادت کے لیے تشریف لائے، مرحوم کو بتلایا گیا کہ حضرت مولانا تشریف لا رہے ہیں، مسرور ہوئے اور کہا کہ حضرت کے آنے سے پہلے پہلے مجھے بٹھا دو، باوجود انتہائی ضعف ونقاہت کے جب تک حضرت تشریف فرما رہے آپ بھی حضرت کے احترام میں بیٹھے رہے، جب حضرت تشریف لے جاچکے، تو ہم سب سے فرمایا بھائی یہ آل رسول ہیں، ہمارے علاقہ کے خاندانی اور بڑے بزرگ ہیں، ان کا ہم جتنا بھی ادب واحترام اور خدمت کریں کم ہے، قوت حافظہ اور یادداشت بہت پختہ تھی، اس مرض وفات میں بھی بہت سی باتیں معلوم کیں تو بحوالہ بتلائیں، بنارس کے ایک معاون کا پتہ معلوم کیا تو نام محلّہ مکان کا نمبر مع بٹا اور پھر اس کا وارڈ نمبر تک صحیح بتلایا، پن کوڈ بہت سے مقامات کے از بر یاد تھے۔

مرحوم کو انوار القرآن نعمت پور کی تنظیم وترقی سے والہانہ تعلق تھا، آپ نے پرخلوص محنت ومجاہدہ سے ۴۵/برس اس کی آبیاری کی ہے، ۱۳۶۷ھ میں جب آپ نے اس کی باگ ڈور سنبھالی، صرف ۶/بسہ پختہ زمین اور اس میں ایک مختصر سا چھپر بغیر گارے اور مصالحہ کی خشک اینٹوں کی بنی ہوئی دیواروں پر یوں ہی رکھا ہوا تھا، اب بفضلہ تعالی یہ ادارہ ترقی کی بہت سی منازل طے کر چکا، گیارہ بیگہ (۱۰۵۰۰) مربع گز آراضی پر اس کی موجودہ تعمیرات وتعلیمات آپ ہی کے دور اہتمام کی دین ہے، لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ اگر انوار القران کے اصل مؤسس وبانی حضرت قاری عبدالرحیم صاحب ہیں تو اس کی تعمیر وترقی حضرت حافظ شریف احمد صاحب کی مرہون منت ہے، آپ کے ۴۵/سالہ دور اہتمام میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ جملہ ملازمین کی تنخواہیں وقت پر ادا نہ ہوئی ہوں، خدا کے فضل وکرم سے انوار القرآن کے سبھی کام بہ سہولت

ترقی پذیر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی انشاءاللہ ہوتے رہیں گے۔

معاملات مدرسہ مالی ہوں خواہ انتظامی، تعلیمی ہوں خواہ تعمیری، سب میں احتیاط ومشورہ کرتے، اسفار میں مقدور بھر پیدل چلتے، باوجود شدید ضرورت کے رکشہ ہرگز نہ کرتے، مدرسہ کے سامان کی بار برداری جس قدر ہمت وسکت رکھتے بلا جھجک وعار کر لیتے مہتمم کہلوانا یا سننا گوارہ نہ کرتے، فراہمی سرمایہ کے لیے بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے، انتہائی جانفشانی کرتے، اخراجات سفر کم سے کم ہوتے، عمر رسیدگی کے ہوتے ہوئے بھی مئی جون کی شدید گرمی، دسمبر وجنوری کی برفیلی ہوا، موسم برسات کی موسلا دھار بارش، غرضیکہ کوئی بھی حالت ہو مدرسہ کی فلاح وبہبود کے لیے اس مرد باصفا کی راہ جفاکشی میں حائل نہ ہوئی، مدرسہ کی جس ضرورت کو محسوس کرتے اس کے پورا کرنے کی دھن لگ جاتی، چندہ کرتے، ادھر ادھر دوڑ دھوپ کر کے اس کام کو انجام دے کر دم لیتے بہت سے کام مدرسہ کے اپنی بیل گاڑی سے بلا اجرت کرا دیا کرتے، مدرسہ کا پیسہ یا کوئی دوسری چیز اپنی تحویل میں تھوڑی دیر بھی رکھنا اچھا نہ سمجھتے، جس قدر جلد ممکن ہو تا دفتر یا گودام میں جمع کرا کر اطمینان فرماتے بوقت انتقال آپ کی طرف مدرسہ کا ایک خرمہرہ یا کوئی دوسری چیز نہیں تھی، مدرسہ کے حسابات پر ہمہ وقت کڑی نظر رکھتے بایں وجہ انوارالقرآن کے حسابات از ابتداء تا حال صاف اور واضح ہیں، مدرسہ میں روزمرہ ضرورت کی اشیاء بالخصوص اشیائے خوردنی متعلقہ مطبخ ایندھن وغیرہ کا قبل از وقت مہیا کرنا اور پھر ان سب چیزوں کا اسٹاک رکھنا ضروری اور مفید سمجھ کر ہمیشہ کرتے اور رکھتے، بزعم اہتمام کبھی تحکمانہ انداز اختیار نہیں کیا، ہر کام خادمانہ حیثیت سے انجام دیا، سب سے مشفقانہ مربیانہ سلوک فرماتے، طلبہ کی دلجوئی اور ان کی ضرورتوں میں ممکن تعاون فرماتے، طلبہ اساتذہ اور دوسرے کارکن آپ سے اور آپ ان سے مانوس رہتے، طعام آپ کا منجانب مدرسہ طے تھا، لیکن ہمیشہ گھر سے منگا کر مدرسہ کے دسترخوان پر کھاتے، کھانے میں فرداً فرداً سب کو معلوم کرتے، اپنے کھانے میں اوروں کو بھی شریک رکھتے، اجتماعی طور پر کھانا کھانے پر زور دیتے، مہمانوں کی خدمت وتواضع میں خود لگ جاتے، جلدی اور ماحضر پیش کرنا پسند کرتے، تمام ملنے والوں سے بڑے ہوں خواہ چھوٹے، بڑی مروت وشفقت سے پیش آتے، سلام کرنے میں ہر جگہ پہل کرتے، بیماروں اور مریضوں کی بیمار پرسی کے لیے جاتے، سفر میں کیا حضر میں بھی اپنے کپڑے خود صاف کر لیتے وغیرہ وغیرہ۔

عظیم وبے مثال خدمات وکمالات کے باوجود اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے، کسرنفسی، تواضع، سادگی، اور فروتنی میں آپ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا گویا آپ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم "من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ" کے مصداق اور اسوۂ نبوی "کان یخدم نفسہ" کے مجسم پیکر تھے، آپ کے ان بلند اخلاق، پاکیزہ اوصاف، سادہ مزاجی اور خورد نوازی کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید حالیؔ رحمۃ اللہ علیہ نے اب سے سو سال پہلے یہ شعر اسی موقع کے لیے کہا تھا

ہم نے ہر ادنی کو اعلی کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

منصب اہتمام کے اس طویل دور میں آپ انوارالقرآن کے اور انوارالقرآن آپ کا رہا، دونوں کے درمیان کوئی دوسرا شغل نہیں تھا، زمانۂ حضر میں ہمیشہ صبح کو گھر سے تین کلومیٹر کا فاصلہ ہونے کے باوجود پیدل مدرسہ آتے اور شام کو پیادہ پا چلے جاتے، اخیر زمانہ میں باوجود کمزوری اور نقاہت کے مدرسہ ضرور آتے، اگر یہ کہا جاتا کہ آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے، حاضری کی زیادہ کوشش نہ کیا کریں، لیکن کچھ اثر نہ ہوتا، اپنے فرض منصبی اور ذمہ داری کا خیال کرتے ہوئے ضرور آتے زیادہ کہنے پر یوں فرماتے بھائی مدرسہ میں آنے کو ہی جی چاہتا ہے، گھر پر پڑا رہنا بھی اچھا نہیں لگتا، آج بھی راستہ میں کئی جگہ بیٹھ اٹھ کر آیا ہوں، آپ کا مدرسہ آخری آنا بموقعہ امتحان سالانہ ۸/شعبان ۱۴۱۲ھ ۱۳/فروری ۱۹۹۲ء یوم پنجشنبہ کو ہوا، اس روز بھی طبیعت بہت کمزور اور مضمحل تھی تاہم اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے

ہوئے صبح ۸ر بجے تشریف لائے اور شام کو چار بجے پیدل ہی گھر چلے گئے، اس کے بعد علالت بڑھتی رہی، علاج معالجہ، خدمت اور تیمارداری آپ کے صاحبزادگان بھائی محمد فاروق، مولوی مقصود احمد صاحبان نیز گھر کے تمام افراد بالخصوص مولوی صاحب موصوف نے قابل رشک حد تک کی ہے، بے ہوشی اور غفلت کے زمانہ کے روزوں اور نمازوں کا فدیہ بھی بہ حساب ادا کیا جو مرحوم کے لیے آخرت میں باعث راحت وتسکین ہے، باری تعالی تمام خدمت گزاروں کو بہتر سے بہتر صلہ بخشے۔ آمین

بیماری کے ان ساڑھے چار مہینوں میں صحت وعلالت کے نشیب وفراز آتے رہے، مرض میں جہاں ذرا افاقہ محسوس ہوا، مدرسہ میں آنے کا ذوق وشوق پیدا ہو جاتا اور مدرسہ آنے کا اصرار وتقاضہ کرنے لگتے، کئی بار انتظام وپروگرام ہو بھی گیا؛ لیکن آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی، بیمار پرسی کرنے والے حضرات کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا، سب سے التجا فرماتے کہ بھائی میرے لیے ایمان واسلام پر خاتمہ کی دعا کرتے رہو، مدرسہ سے بغرض عیادت وتیمارداری جو بھی حاضر ہوتا حالات مدرسہ معلوم کرکے مطمئن ہوتے، نمناک آنکھوں اور پرسوز دل سے رقت آمیز لہجہ میں مدرسہ اور صاحب گفتگو کے لیے دیر تک دعائیں کرتے رہتے، علالت وبیماری کے اس زمانہ میں بھی مدرسہ کے لیے مشورہ طلب امور میں پہلے اپنے تجربات بتلاتے پھر مفید اور ضروری مشورے دے کر فرماتے کہ بھائی میں تو یوں کہتا ہوں آگے آپ لوگوں کی رائے ہے، اس وقت انداز گفتگو سے ایسا محسوس ہوتا گویا آپ زبان حال سے یوں فرما رہے ہیں، فنا ہو جائیں گے ہم اور تم آنسو بہاؤ گے، ہمارے بعد ہم جیسے کہاں سے لوگ لاؤ گے۔

مختصر یہ کہ حضرت مہتمم صاحب مرحوم کی پرخلوص مجاہدانہ مساعی سے انوار القرآن ۱۰+۲۰ر مربع فٹ کے پھونس کے چھپر سے ترقی کرکے الحمدللہ اب ایک عظیم اور معیاری روشن ادارۂ دین بن گیا ہے، خداوند قدوس اس کو تا قیامت بعافیت تمام جاری ساری اور باقی رکھے، اس کے باقی کارکنان، معاونین، مدرسین اور جملہ بہی خواہ حضرات پردارین میں عافیتیں ہی عافیتیں نازل فرمائے۔ آمین

حضرت مہتمم صاحب کی ذات اقدس کو مخلص ومحترم بنانے میں جس صفت کا سب سے بڑا دخل ہے، وہ اکابر سے خاص تعلق وعقیدت اور ان کا احترام وخدمت ہے، آپ کو اپنے تمام اساتذہ اکابر اور شیخ ومرشد سے بڑی محبت وعقیدت تھی، سبھی بزرگان دین کی زیارت وملاقات کے لیے ان کی مجالس میں کثرت سے جاتے، ماہ مبارک میں جب الہ آباد جاتے تو ہمیشہ جناب محترم ڈاکٹر ابراراحمد صاحب مدظلہ کی کوٹھی پر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وملاقات سے مشرف ہوتے، حضرت سے خوب شناسائی تھی، حضرت بھی مدرسہ کے حالات دریافت فرما کر مسرت کا اظہار فرماتے، دعائیں دیتے، سینے سے لگاتے اور مدرسہ کے لیے خصوصی رقم بھی عنایت فرماتے، یہی نہیں حاضرین مجلس سے مخاطب ہوکر ارشاد فرماتے کہ ''بھائیوں یہ میرا مدرسہ ہے اس کی امداد کرو'' حضرت مہتمم صاحب مرحوم حضرت کی عنایت کردہ اس رقم کو علیحدہ سے لاکر دیتے اور کہتے کہ حضرت اقدس نے اپنے برکتی ہاتھوں اور جیب خاص سے عنایت کی ہے اس کو تبرکاً خزانہ میں رکھو، تاکہ برکت وحفاظت رہے، رائے پور خانقاہ میں اپنے پیر ومرشد کی زیارت وملاقات کے لیے بہت اشتیاق سے جاتے، آپ کو اپنے شیخ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی، حضرت بھی آپ کو بہت چاہتے تھے، جب آپ حاضر ہوتے تو حضرت دور سے آواز پہچان کر فرماتے کون ہے، شریف احمد ہے کیا؟ آپ ادب سے عرض کرتے جی حضرت، حضرت فرماتے کب آئے ہو؟ آپ کہتے حضرت ابھی حاضر ہوا، حضرت فرماتے اچھا کیا حال ہے تیرا اور تیرے مدرسہ کا؟ آپ کہتے حضرت اللہ کا فضل اور حضرت کی دعائیں، اس پر حضرت اور مزید دعائیہ جملے ارشاد فرماتے، ایک مرتبہ مدرسہ کے لیے زمین کی خریداری اور تعمیر مسجد کا سلسلہ چل رہا تھا، سرمایہ کی کمی تھی حاضر خدمت ہوکر دعاء کے لیے عرض کیا، حضرت نور اللہ مرقدہ نے پوری بات سننے کے بعد بحالت انبساط ارشاد فرمایا: ''ارے بھائی

شریف احمد ہو جائیں گے تیرے مدرسہ کے یہ سب کام، الحمدللہ بلا کسی الجھن وتاخیر کے بفضل الہٰ حضرت کی دعاؤں کی برکت سے یہ دونوں کام بآسانی تکمیل کو پہنچے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ پچھم کی طرف والی خانقاہ میں مہمانوں کا ہجوم تھا، بھائی الطاف الرحمٰن صاحبؒ نے حضرت مہتمم صاحب مرحوم کے لیٹنے کا انتظام حضرت کے حجرے سے کچھ فاصلے پر کرنے کے بعد بتلایا کہ بھائی حافظ جی آپ کے لیٹنے کا انتظام ادھر فلاں کمرے میں کر دیا ہے، آپ نے کہا واہ بھائی، میں وہاں پڑنے آیا میں تو یہیں حضرت کے قدموں میں پڑوں گا، ان دونوں پرانے ساتھیوں کی یہ بات چیت حضرت نے محسوس فرمائی اور بلا کر شفقت سے فرمایا کہ بھائی شریف احمد جہاں تیرا جی چاہے وہاں لیٹ جا، بھائی الطاف الرحمٰن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مہتمم صاحب دونوں ہم عمر اور دیرینہ بہت مخلص رفیق تھے، خانقاہ میں آپ بھائی کے نام سے معروف تھے، مدرسہ ہذا میں کئی بار تشریف لائے ہیں، مہتمم صاحب کی حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آپ قطب دوراں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے خادم خاص رہے ہیں، حضرت کے ارشاد کی تکمیل میں تاحیات خانقاہ میں ہی مقیم رہے، اللہ پاک آپ کے درجات بلند فرمائے (آمین) بھائی الطاف موصوف خود بزرگ اور بزرگوں کی نشانی تھے، حضرت مہتمم صاحب اور مدرسہ انوارالقرآن نعمت پور سے ایک خاص تعلق تھا اور مدرسہ کے لیے دعائیں اور ہم سب پر بہت شفقت فرماتے، حضرت مہتمم صاحب مرحوم کا آنا جانا سبھی علماء صلحاء اور بزرگوں کے یہاں خوب رہتا تھا، اہل اللہ کی مجلسوں، صحبتوں، خدمتوں سے فیض حاصل کرنے کا شوق وجذبہ آپ کے رگ وریشہ میں موجزن تھا، یہ سب حضرات بھی آپ پر نگاہ شفقت رکھتے تھے، باری تعالیٰ ان حضرات کے صدقہ اور طفیل میں آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مہتمم صاحب کے اخلاص وللّٰہیت، اخلاق ومروت کا معترف ومداح ہر صادر ووارد ہوتا، مدرسہ کے سلسلہ میں مقامی احباب آپ کی بات برائے تکمیل بسر وچشم تسلیم کر لینے کے عادی تھے، خود دوسرے ضرورت مندوں کی خدمت کرتے اپنی خدمت کسی سے نہ لیتے، سفر میں ساتھی کو ہر طرح کا آرام پہنچاتے، اس کے سامان کی باربرداری تک خود ہی کر لیتے، مدرسہ میں اساتذہ طلبہ اور دوسرے ماتحتوں کے آرام وآسائش کا ہر طرح خیال رکھتے لیکن اپنے لیے ۴۵ر برس کی اس طویل مدت میں کوئی کمرہ قیام گاہ یا نشست گاہ متعین نہیں کی، کام چھپر سے شروع کیا چھپر میں رہے، اور چھپر ہی چھوڑ کر اس جہاں فانی سے رخصت ہو کر واصل بحق ہو گئے۔

تیرا شعار خدمت خلق خدا رہا
خدمت بھی وہ کہ روح طریقت کہیں جسے

جب کبھی ہنگامی حالات یا کوئی خاص مقصد سامنے ہوتا تو طلبہ اساتذہ سے یک جائی طور پر مخصوص وظیفہ پڑھوانے کا اہتمام کرتے بعدہ دعا خود کراتے، بفضلہٖ تعالیٰ جس مقصد ونیت سے وظیفہ خوانی کی جاتی اس میں اکثر وبیشتر کامیابی نظر آتی، دعا تعویذ کے لیے حاجت مند لوگ آتے اپنی ضرورت کے لیے دعا کراتے تعویذ بنوا کر لے جاتے، جھاڑ پھونک اور دم کرا کر جاتے ان میں بھی بیشتر حضرات بامراد ہوتے بایں وجہ اہل نظر کی نظر میں آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔

فراہمی سرمایہ کے سلسلہ میں سفر پر جاتے چھوٹے اور غرباء کے چندہ کو ترجیح دیتے امراء کے یہاں بہت کم جاتے، وعظ وتقریر بھی اپنے انداز سے بھاری سے بھاری مجمع کے سامنے بلا جھجک کر لیتے تھے، برمحل پنجابی وغیرہ کے اشعار خوش آواز سے پڑھتے، مفید وپراثر کہاوتیں اور قصے بھی خوب سناتے، بیان سامعین کے لیے مؤثر ہوتا، لوگ مزید کہنے، سننے کی خواہش وفرمائش کرتے، جہاں جہاں جانے کا معمول تھا لوگ آپ کی آمد کے پہلے سے منتظر رہتے، عزت واحترام سے پیش آتے، چندہ بھی خوب دیتے، دوبارہ جلد آنے کی دعوت دیتے، تاہم آپ کی سرشت چونکہ حرص وطمع سے مبرا اور غیرت وخودداری سے آراستہ تھی، اس لیے چندہ دہندگان سے تملق اور چاپلوسی کو کسی حال

میں بھی روانہ رکھتے، چنانچہ الہ آباد میں ایک قدیم معاون کے پاس گئے جو ہمیشہ سو روپئے دیتے تھے، ان سے چندہ کے لیے کہا گیا تو کچھ بے توجہی سے کہہ دیا کہ جی آپ کے مدرسہ کا حصہ تو میرے یہاں نہیں رہا، آپ نے بھی برجستہ کہا بھائی اگر آپ کے یہاں ہمارے مدرسہ کا حصہ نہیں رہا، اللہ میاں کے یہاں تو ہے، لو ہم جاتے ہیں اب اپنے دروازہ پر ہمیں کبھی نہ دیکھنا، آپ سفر پورا کر کے مدرسہ آ گئے، بعد رمضان اس شخص نے معافی کا خط لکھا اور دو ہزار روپئے بھیجے، اسی طرح کانپور میں ایک معاون کے پاس گئے، اس نے کچھ ناشائستہ طور پر انکار کیا، آپ نے بھی استغنائیت کا اظہار کیا اور چل دیئے، تھوڑی دور گئے تھے کہ اس شخص نے اپنا نوکر بھیج کر بہت منت وسماجت سے بلوایا، معذرت چاہی چندہ پہلے سے زیادہ دیا، نیز روزہ افطار اپنے یہاں کرنے کا باصرار وعدہ لیا، شام کو افطار وطعام کے بعد معذرت کرتے ہوئے ہدیہ بھی پیش کیا۔

رمضان ۱۴۱۰ھ کا واقعہ ہے کہ بنارس وغیرہ سے چندہ کر کے واپس آ رہے تھے، بریلی اسٹیشن پر گاڑی رکی، آپ عصر کی نماز کے لیے وضو کرنے نیچے اترے، وضو کر ہی رہے تھے کہ ٹرین چھوٹ گئی - آپ پریشان، پورا سامان مع رقم وغیرہ ایک لنگی میں بندھا ہوا سیٹ پر رکھا تھا، آپ بیگ اٹیچی اور تھیلا وغیرہ تو رکھتے ہی نہ تھے، پونجی، لوٹا، عصا، مدرسہ کے کاغذات اور دوسرا سب سامان ٹرین میں چلے گئے، پریشان حال دیکھ کر ایک صاحب نے ہمدردانہ مشورہ دیا کہ اکسپریس بس چھوٹنے والی ہے، آپ کو یہ رامپور ٹرین پکڑوا دے گی، آپ بس سے رامپور آئے، دیکھتے ہی دیکھتے یہاں سے بھی یہ ٹرین چھوٹ گئی، پریشان حال نہ معلوم کتنی دقتوں سے اگلے روز مدرسہ پہنچے، سلام ومصافحہ کے بعد میں نے خیریت معلوم کی، تو آبدیدہ ہو کر بمشکل پورا قصہ بتاپائے، میں نے تسلی دی آرام کرنے اور کپڑے اتارنے کو کہا کہ ڈھل جائیں گے؛ لیکن نہ آرام کیا نہ کپڑے دھلوائے، شام تک تلاوت کلام پاک کرتے رہے، نماز عصر کے بعد کہنے لگے مجھے دو رسید بھی دیدو، رمضان کے چار پانچ دن ہیں، ان میں کچھ چندہ کر لوں گا، میں نے آپ کی کمزوری کا خیال کرتے ہوئے انکار کیا، آپ نے بے حد اصرار کیا اور رسیدات لے کر ہی گئے، عید تک کام کیا - رامپور اسٹیشن پر ٹرین میں بیٹھے ہوئے دوسرے مسافروں نے پولیس کو بلا کر بتلایا کہ ایک ایسا ایسا آدمی جو کشمیری سا معلوم ہو رہا تھا، اس سامان کو چھوڑ کر چلا گیا، ہمیں اس میں کچھ خطرناک اشیاء کا شبہ ہے، پولیس نے بڑی احتیاط وہوشیاری سے حضرت مہتمم صاحب کی اس گٹھری اور دیگر سامان کو پولیس اسٹیشن میں لے جا کر اپنے افسر اعلی کے سامنے سارا قصہ سناتے ہوئے رکھ دیا، اس نے بھی بہت احتیاط سے کھولا، تمام کاغذات وغیرہ کی فہرست بنا کر سب چیزوں کو بحفاظت رکھا اور مدرسہ کے پتے پر خط لکھا، خط مدرسہ میں نہ پہنچ سکا، انتظار بسیار کے بعد ایک کانسٹبل صرف یہی اطلاع کرنے مظفر آباد بھیجا، بہت تلاش وجستجو کے بعد وہ سپاہی آپ سے ملا پوری بات سنائی اور کہا کہ مجھے رامپور تھانہ ریلوے اسٹیشن سے ایس پی صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ وہاں آ کر اپنا سامان لے آئیں، آپ رام پور گئے پولیس افسر جو ایک وطنی بھائی اور نہایت شریف آدمی تھا، بڑی خاطر تواضع سے پیش آیا، چائے پانی سے خوب خاطر مدارات کی، کئی گھنٹہ ادب واحترام سے رکھا، پورا سامان اور رقم بعینہ جولگ بھگ ۵؍ ہزار روپئے تھی حوالہ کر کے اظہار اطمینان کیا دروازے تک رخصت کرنے آیا اور کہا میرے لائق آئندہ بھی کوئی خدمت ہو یاد کر لینا۔

غالباً ۱۳۹۳ھ کی بات ہے کمرہ نمبر ۱۹؍۲۰ کی تعمیر جاری تھی سرمایا ختم ہو گیا، شام کو جب آپ گھر جانے لگے میں نے کمی سرمایہ کا تذکرہ کیا آپ نے خاموشی سے سنا اور چلے گئے، حسب معمول جب صبح کو گھر سے آئے، مجھے بلا کر ایک معتد بہ رقم دی اور یوں کہا کہ بھائی اللہ نے اپنے فضل سے یہ انتظام فرما دیا ہے، قرض کے بار سے بچ گئے، میں نے ذرا تفصیل معلوم کی تو بتلایا کہ آج صبح میرے پاس فلاں آدمی آیا تھا اور اس نے مجھے یہ رقم یوں کہہ کر دی کہ فلاں شخص مرحوم کا میرے ذمہ قرض تھا اس نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ جب بھی تیرے پاس

انتظام ہوجائے یہ روپئے میری طرف سے نعمت پور مدرسہ میں دیدینا، اس طرح کے اور بھی بہت سے نامعلوم کتنے واقعات ہیں جن سے آپ کی شرافت وکرامت واضح ہوتی ہے ؛ لیکن آپ ان چیزوں کو ہمیشہ چھپاتے ہی رہے، گویا فرما رہے ہوں پھر سن لینا فرصت میں داستاں میری۔

عمر بھر خادم اسلام وقوم کی حیثیت سے تگ ودو کرتے رہے، بالآخر ۲۶رذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۸رجون ۱۹۹۲ء بروز اتوار کو صبح ۵ربجے اس جہاں فانی سے رخصت ہوکر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کی تکفین وتدفین اور نماز جنازہ میں عوام وخواص کا بھاری مجمع تھا جس میں مدارس عربیہ کے نظماء، علماء، صلحاء اساتذہ اور طلبہ حضرات کثیر تعداد میں شامل تھے، حیف صد حیف اب وہ ہمارے درمیان نہیں مگر ان کی ہزار ہا یادیں دلوں میں پیوست ہیں، جن سے آنکھیں اشکبار ہیں۔

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شان رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں نازل ہوں میر کارواں تجھ پر

نماز جنازہ حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم بوڑیہ نے پڑھائی، تدفین آپ کی بستی مظفری کے قبرستان حضرت امام علی شاہ میں ہوئی، جہاں آپ کے خاندانی اکابر جدامجد، والد ماجد، محترم چچا مرحوم بانی مدرسہ ہٰذا وغیرہ پہلے سے مدفون ہیں، انوارالقرآن سے گہرے قلبی اور روحانی تعلق کی بنا پر آپ کی دلی خواہش تھی کہ انوارالقرآن میں یا پھر انوارالقرآن کے متصل والے گورغریباں میں دارالحدیث کی پشت پر دوگز زمین مجھے ابدی خواب راحت کے لیے نصیب ہو، لیکن

ع پہنچی وہی پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

باری تعالیٰ آپ کی ان دینی اور ملی خدمات کو قبول فرما کر اپنے ان الطاف وعنایات خصوصی سے سرفراز فرمائے جو مقربین کے لیے مخصوص ہیں۔

نقوش اسلام کی ڈاک

حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی

نائب مہتمم مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور

محترم ومکرم جناب

حضرت مولانا مفتی محمد مسعود صاحب عزیزی ندوی زیدعنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر آپ کا ممنون کرم ہے کہ آپ نے ماہنامہ نقوش اسلام ارسال فرما کر علمی واصلاحی مضامین کے مطالعہ کرنے کا موقع فراہم فرمایا۔

خاص طور پر آپ کے اداریہ ''فتنۂ قادیانیت امت محمدیہ کے خلاف بغاوت'' نے دل پر گہرا اثر چھوڑا، ماشاء اللہ ماہنامہ نقوش اسلام ظاہری وباطنی خوبیوں سے پوری طرح مزین وآراستہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دوام وبقا نصیب فرمائے اور امت کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

میرے دل کا تقاضہ یہ ہے کہ اس ماہنامہ نقوش اسلام کو باضابطہ جاری کرایا جائے اگر آپ کی تشریف آوری یا آپ کا کوئی نمائندہ مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور آنے والا ہو تو میں ان کو سالانہ فیس دیدونگا، اور آپ حافظ محمد عابد کاشفی ابن محمد ہاشم قاسمی دار ہاشم رائے پور روڈ سرساوہ کے پتہ پر رسالہ جاری فرمادیں، یہ بھی آپ کا مزید احسان ہوگا۔

ساتھ ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ آپ کے مکتبہ کی طرف سے سفر حج کے متعلق جو کتاب ''سفر حج کی مشکلات اوران کا ممکن حل'' شائع کی گئی ہے، وہ بھی ارسال فرمادیں، اس کا ہدیہ بھی بھیج دیا جائے گا، مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں، امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ والسلام

۱۴رفروری ۲۰۰۸ء — محمد ہاشم قاسمی

found.

حکمت ودانائی کے انمول موتی

مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری

عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم افضل الاعمال الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ"۔

(ابوداؤد شریف)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے دشمنی کرنا ہے۔

یعنی کھانے پینے، شادی بیاہ، کسب وتجارت اور زندگی کے ہر معاملہ کی طرح مسلمانوں کا ملنا جلنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہئے، اسلام نے فقط غیر اللہ کی پرستش چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی پرستش ہی کرا لینے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اسلام کے نزدیک اللہ کی پرستش کے معنی یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھا جائے، روزہ، نماز، زکوۃ، حج بھی اللہ کے حکم ہی کی تعمیل تک عبادتیں ہیں، نماز سورج نکلتے وقت یا زوال کے وقت یا غروب کے وقت پڑھے تو عبادت نہیں ہوگی بغاوت ہوگی، اسی طرح عیدین اور ایام قربانی کے روزہ کا حال ہے، غرضیکہ بندے اور مخلوق کا فرض آقاء خالق کی اطاعت کرنا ہے۔

اسلام میں آپس کے تعلقات کی بڑی اہمیت ہے :

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں! سنو اور سمجھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں، ان کے بیٹھنے کے خاص مقام اور اللہ تعالیٰ سے ان کے خاص قرب اور تعلق کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے، ایک دیہاتی آدمی نے جو مدینہ سے دور (دیہات) کا رہنے والا آیا ہوا تھا (متوجہ کرنے کے لئے) اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو نہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء، انبیاء اور شہداء ان کے بیٹھنے کے خاص مقام اور ان کے اللہ تعالیٰ سے خاص قرب اور تعلق کیوجہ سے ان پر رشک کریں گے، آپ ان کا حال بیان فرمادیجئے، یعنی ان کی صفات بیان فرمادیجئے، اس دیہاتی کے سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ عام لوگوں میں سے غیر معروف افراد اور مختلف قبیلوں کے لوگ ہوں گے جن میں کوئی قریبی رشتہ داریاں بھی نہیں ہوگی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ایک دوسرے سے خالص و سچی محبت کی ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے لیے نور کے ممبر رکھیں گے جن پر ان کو بٹھائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے چہروں اور کپڑوں کو نور والا بنادیں گے، قیامت کے دن جب عام لوگ گھبرا رہے ہوں گے ان پر کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہوں گے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ (مسند احمد)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کے لیے

واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں، وہ نور کے ممبروں پر ہوں گے، ان کے خاص مرتبہ کیوجہ سے انبیاء اور صدیقین ان پر رشک کریں گے (ابن حبان) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے، جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (مسند احمد)

حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت میں ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں (مؤطا امام مالک) حضرت عمرو بن عبسہ کی روایت میں ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے دوستی رکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''بے شک قیامت کے دن اللہ تعالی کے کچھ بندے اللہ تعالی کے ہم نشین ہوں گے، جو عرش کے دائیں جانب ہوں گے اور اللہ تعالی کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں، وہ نور کے ممبروں پر بیٹھے ہوں گے، ان کے چہرے نور کے ہوں گے، وہ نہ انبیاء ہوں گے، نہ شہداء اور نہ صدیقین، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے، ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔ (طبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اپنے (مسلمان) بھائی سے اللہ تعالی کی رضا کی خاطر ملاقات کے لیے آتا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ اس کو پکار کر کہتا ہے کہ تم خوشحالی کی زندگی بسر کرو، تمہیں جنت مبارک ہو اور اللہ تعالی عرش والے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری خاطر ملاقات کی، میرے ذمہ اس کی مہمانی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اسے بدلے میں جنت سے کم نہیں دیتے۔ (ترغیب)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کو ایک جماعت سے محبت ہے؛ لیکن وہ ان کے ساتھ نہ ہو سکا یعنی عمل اور حسنات میں بالکل ان کے قدم بہ قدم نہ ہو سکا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''المرء مع من احب'' جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہوگا یعنی آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

عزیز! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو جس سے محبت کرے گا آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا، تو ہم کیوں نہ اس ذات وحدہ لاشریک سے محبت کریں، جس نے تمام مخلوقات کو حتی کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو وجود بخشا، اس خالق کائنات کی محبت کا راز سرور کائنات سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مضمر ہے، ارشاد ربانی ہے '' قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم والله غفور رحیم ''۔(سورہ آل عمران پارہ ۳/رکوع ۱۲)

تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

اس آیت مبارکہ میں خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلائے ہیں، یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعوی یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا جو شخص جس قدر حبیب خدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ خدا کی محبت کے دعوی میں سچا اور کھرا ہے، اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مضبوط اور مستعد پایا جائے گا، جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالی اس سے محبت کرنے لگے گا، اور اللہ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ

طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ"۔(مشکوۃ شریف)

''کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی (اپنی) خواہش میرے لائے ہوئے طریقہ کے تابع نہ ہو جائے''۔

اللہ تعالی کے بعد پھر ہم اس محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں جن کی وجہ سے یہ کارخانہ عالم وجود میں آیا اور جنہوں نے انسان کو انسانیت کا سبق سکھا کر معرفت کی بلندیوں پر پہنچادیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کامل یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت پر پورا عمل کیا جائے، آپ کے صحابہ سے محبت کی جائے جو آپ کی تربیت سے مصفی ومزکی ہوگئے تھے، انصار مدینہ کی تعریف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ"۔ (سورہ حشر پارہ ۲۸/رکوع ٤) اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یعنی انصار خود بسا اوقات فاقہ سے بیٹھے رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''ایمان والا محبت کرتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ محبت کرے اور نہ اس سے محبت کی جائے اور لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہچانے والا ہو''۔(دارقطنی)

دوست پر دوستی کا اظہار کرنا مناسب ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"وَاِذَا اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْہُ ذٰلِکَ" اور جب اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو بتلا دے۔(حصن حصین صفحہ ۱۰۶)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین باتوں سے دوستی مستحکم ہوتی ہے:

(۱) دوست کا نام تمیز سے لیا جائے۔

(۲) دوست کو سلام کرنے میں پہل کی جائے۔

(۳) بیٹھنے میں دوست کے احترام کا دھیان رکھا جائے اور اسے فائق جگہ بٹھایا جائے۔

دوست کے اہل وعیال اور دوست کی پسندیدہ چیزوں کی مدح کرنے اور دوست کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف کوئی بات نہ پیدا ہونے دینے سے بھی محبت بڑھتی ہے، دوست کے خلاف باتوں کا برداشت کرنا ایسا ہے، جیسے کسی نے اس کے دوست کو تلوار سے زخمی کردیا اور اس نے اپنے دوست کی کوئی مدد نہیں کی، بات کا زخم تلوار کے زخم کی بہ نسبت گہرا ہوتا ہے، اور صرف اخلاص کا پھایہ ہی اس زخم کو بھر سکتا ہے۔

دوست کی خیرخواهی :

البتہ ایک موقع ہے جب دوست کی دل شکنی کو نظر انداز کردینا لازم ہے، اور وہ بھی دوست کے فائدے کے لیے، جب دوست اس قسم کی روش اختیار کرے کہ اس کے دوزخ میں جانے کا اندیشہ ہوجائے تو دوزخ سے بچانے کی خاطر اس کی خوشی ناخوشی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے، مگر اس حالت میں بھی جو کچھ کہے تنہائی میں کہے، برملا نصیحت کرکے دوست کو رسوا نہ کرے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے دوست سے پناہ مانگو جو برائی دیکھے تو ڈھنڈورا پیٹنا شروع کردے۔

شریف انسان تنہائی میں نصیحت کا احسان مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں ان سانپوں اور بچھوؤں سے آگاہ کیا گیا ہے، جو ہمارے اوپر چڑھ آتے تھے، بری عادتیں سانپ اور بچھو ہی تو ہیں یہ سانپ اور بچھو جسم کے بجائے روح کو ڈستے اور روح پر ڈنک مارتے ہیں، ان کا کاٹنا اور ڈنک مارنا قبر میں دکھائی دے گا، نصیحت سے وہ گھبراتے ہیں جن کے دماغ وعقل پر رعونت وکبر کا غلبہ ہوجاتا ہے، دوست کے لیے دعا خیر کرنی چاہئے اس کی زندگی میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوست کی تعریف یہ ہے کہ مرنے کے بعد ورثاء تو ورثہ بانٹنے میں مشغول ہوں، دوست دعائے مغفرت کررہا ہو اور فکر مند ہو کہ دیکھئے مرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتے ہیں، حدیث میں ہے کہ زندہ لوگوں کی دعا مرنے والے کی قبر میں نور کا پہاڑ بن کر پہنچتی ہے، مردہ کو بتایا جاتا ہے کہ دعا کا یہ ہدیہ فلاں شخص نے بھیجا ہے، مردہ اس ہدیہ سے خوش ہوتا ہے، دوستی اور وفاداری یہی ہے کہ مرجانے کے بعد بھی دوست کو نہ بھلایا جائے اور اس کے پسماندگان سے غفلت نہ برتی جائے۔

قارئین کرام! ذکر اس دوستی کا ہو رہا ہے جو اللہ کے واسطے کی جاتی ہے، دیندار اور متقی لوگوں سے ہی نہیں فاسقوں بلکہ غیرمسلموں سے بھی اللہ کے واسطے دوستی کی جاسکتی ہے، فاسقوں کے ساتھ انہیں نیک بنانے کی نیت سے غیرمسلموں کے ساتھ ان کے سامنے اچھا نمونہ پیش کرنے کی دوستی ہو تو وہ بھی "الحب فی اللہ" کے ذیل میں آجائے گی۔

حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ پانچ آدمیوں سے دور بھاگو:

۱- جھوٹے سے جھوٹا نہ جانے کب دھوکہ دے جائے۔
۲- احمق سے احمق تمہارے فائدہ کو نقصان سے بدل سکتا ہے۔
۳- بخیل سے بخیل عین وقت پر دغا دیتا ہے۔
۴- بزدل سے بزدل بھلا کسی کا کیا ساتھ دے گا۔
۵- فاسق سے فاسق دوست کو ایک لقمہ کے عوض بیچ ڈالا کرتا ہے۔

❁❁❁❁

﴿بقیہ صفحہ ۱۳ کا﴾ کمپیوٹر، انگریزی وغیرہ کے بھی کورسز ہیں جو ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو اس میدان میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے نصاب کو درس نظامی کا نام دیا جاتا ہے، جو کسی حد تک صحیح کہا جاسکتا ہے؛ لیکن کچھ لوگوں کو اس نام سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ نصاب بعینہٖ بارہویں صدی ہجری کا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ دارالعلوم کے اس نصاب کی بنیاد وہی درس نظامی تھا جو قیام دارالعلوم کے وقت عموماً ہندوستانی مدارس و درس گاہوں میں رائج تھا، لیکن دارالعلوم کے قیام کی ابتدا ہی سے درس نظامی جوں کا توں کبھی بھی نصاب نہیں رہا اور بعد میں حالات کے تقاضے کے پیش نظر اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، اگر کوئی شخص ملا نظام الدین کے درس نظامی کو آج کے دارالعلوم دیوبند کے نصاب سے موازنہ کرے تو اس کو دارالعلوم کے نصاب کو درس نظامی کا نام دینے میں بھی ہچکچاہٹ ہوگی؛ کیونکہ اس میں علوم عالیہ کے ساتھ علوم آلیہ کی کتابوں میں بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں، درس نظامی کی متعدد کتابوں کو بالکل نکال کر دوسری کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے، جب کہ بہت سے موضوعات کی کتابوں کو بدل دیا گیا ہے، نصاب دارالعلوم میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ کا عمل مسلسل جاری ہے، علوم دینیہ کے ساتھ عصری علوم اور معاشی ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا جارہا ہے، دارالعلوم میں دارالصنائع، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ انگریزی و شعبۂ صحافت اسی مسلسل عمل کا ایک حصہ ہیں۔

نصاب کی تبدیلی کے سلسلے میں ہمیں ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے مدارس کا مقصد دینی علوم و ثقافت کی حفاظت اور اسلام کی نشر و اشاعت ہے، لہٰذا ایسی کوئی تبدیلی جو اس مقصد میں خلل انداز ہو اسے قطعاً قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، علوم عالیہ یعنی قرآن، حدیث اور فقہ کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان میں درک حاصل کرنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے، ان علوم کی تعلیم ہی ان مدارس کا اصل مقصد ہے، اس میں دوسرے علوم و فنون کی گنجائش محض اسی حد تک ہے جب تک کہ یہ دوسرے علوم ان مدارس کے اصل مقصد میں حائل یا مخل نہ ہوں۔

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: مناظر گیلانی

تالیف: مولانا فاروق اعظم عاجز قاسمی

صفحات: ۱۰۹ر

قیمت: درج نہیں

ناشر: مدرسہ اشرف العلوم چورو روڈ بائی پاس جھنجھنو، راجستھان

زیر تبصرہ کتاب ہندوستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت اور ان کی البیلی شاعری کا دلکش مجموعہ ہے، جیسا کہ کتاب کے مؤلف مولانا فاروق اعظم صاحب نے کتاب کے سرورق پر اس کا اظہار کیا ہے، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ارشاد ہے کہ ''مناظر احسن کے تمام مناظر احسن ہیں'' واقعی حضرت مولانا گیلانی اہل علم اور صاحب فضل وکمال ہونے کے ساتھ اہل دل بھی تھے، بلکہ وہ تمام ربانی صفات کے حامل انسان تھے، اللہ تعالی نے ان کو دھڑکتا ہوا دل بھی دیا تھا، اور کبھی وہ اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے نثر کی بجائے نظم سے بھی کام لیتے تھے، مگر زیادہ تر ان کی تخلیقات اور کتابیں اردو نثر میں ہیں، اور شاید کم ہی لوگ جانتے ہوں کہ وہ ایک مستند شاعر بھی تھے۔

حضرت مولانا کی وفات کو نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے، مگر ابھی ان کے زندگی کے کئی پہلو ہے، جن پر لکھا جانا باقی ہے، بہت ہی قابل مبارک باد ہیں مولانا فاروق اعظم صاحب کہ انہوں نے حضرت مولانا کے اس پہلو کی طرف توجہ کی جس سے عوام ہی نہیں بلکہ موجودہ دور کے بہت سے خواص بھی واقف نہیں ہیں۔

اس طرح مؤلف کتاب نے اس میں حضرت مولانا گیلانی کی حیات، خصوصیات، خدمات اور ان کا کلام پیش کیا ہے، جس سے حضرت مولانا کا سراپا سامنے آتا ہے اور ساتھ ہی مولانا کے شاعرانہ پہلو کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، اس طرح کلام گیلانی میں سے ۲ر نعتیں، ۱۰ر نظمیں، ۲ر مرثئے، ایک مثنوی اور ایک مزاحیہ رباعی بھی پیش کی ہے، ان کے کلام کے چند نمونے قارئین کے سامنے ہیں، ان کی اپنی مگدھی بہاری زبان میں نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پیارے محمد جگ کے سجن
تم پر واروں تن من دھن
تمری صورتیا منموہن
کبھیو کرا ہوتو درشت
جیا کنھڑے دلوا ترسے
کرپا کے بدرا کہیا برسے
تمری دور یا کیسے چھوڑوں
تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں
تمرے نگر میں دل بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
اٹھو پہر اب دھیان یہی ہے

اور کہیں ان کی مگدھی اردو میں نعت کہتے کہتے اچانک زبان کی پٹری بدل جاتی ہے اور ان ہی چھوٹی بحروں میں اپنی فریاد عربی زبان میں پیش کرتے ہیں:

فالليل لقد يغشى والكفر قداستعلى
ذا امتك الضعفى فى سيطرة الاعداء
هاں رميك لايخطى وسهمك لايطغى
والله هــو الاعلى والحق فـلا يعلى

کتاب پر کئی علماء دین کی تصدیقات اور تہنیتی کلمات بھی ثبت ہیں، جن سے کتاب اور صاحب کتاب کی وقعت واہمیت دوبالا ہوگئی، مؤلف نے مضمون اور کتاب کا حق ادا کر دیا اور دوسروں کے لیے اس انداز پر کام کرنے کا موقع فراہم کر دیا، اس لیے کا قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے، اور دوستوں کو ہدیہ میں بھی پیش کریں گے، کتاب دیوبند کے سبھی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

ایران نیوکلیائی پلانٹ کے آغاز کی تیاروں میں مصروف

ماسکو-ایران پہلے نیوکلیائی کارخانہ کوشروع کرنے کی تیاروں میں مصروف ہے، روس نے کہاہے کہ وہ آئندہ برس تک کارخانہ میں اپنے ملازمین کی تعداد بڑھا کر دوگنا کردے گا،خبررساں ایجنسی ''ریا'' نے کارخانہ کی تعمیر کرنے والی روس کی سرکاری کمپنی ''ایٹمسٹر وایکسپورٹ'' کے سربراہ سرگئی شمانکو کے حوالے سے کل بتایا کہ فی الحال کمپنی کے 1300/ملازمین کارخانہ کی تعمیر کے کام میں مصروف ہیں،مزیدایک ہزارملازمین کواس کام پر مامور کرنے کا کمپنی کا منصوبہ ہے،شمانکو نے کہا''آئندہ چند ہفتوں میں ۲۰۰/سے ۳۰۰/ماہرین کارخانہ میں کام کرنا شروع کردیں گے،مزیدانھوں نے کہا کہ کارخانہ کوچلانے کے لیے روس اورایران ایک مشترکہ کارخانہ بنائیں گے۔

مرکز میں رائے بریلی سے ایک عالم دین کی تشریف آوری

۱۶/جنوری ۲۰۰۸ء بروز بدھ کو مدرسہ فلاح المسلمین تیندوہ رائے بریلی کے استاذ جناب حضرت مولانا سید سلمان نقوی ندوی صاحب اپنے اخص الخاص شاگر مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکرالاسلامی سے ملاقات کی غرض سے مظفرآباد تشریف لائے، یہاں انہوں نے ایک شب قیام فرمایا اور مرکز کے تحت چلنے والے دونوں اداروں کے نظم وانتظام کو سراہا اور خوشی کا اظہار کیا اور اگلے دن رخصت ہوئے۔

مرکز میں اسلامیات کے کورس کا امتحان

۷/فروری ۲۰۰۸ء کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں اسلامیات کے کورس کا امتحان ہوا، اسلامیات کے اس امتحان میں ۱۴/لڑکوں اور ۸۰/لڑکیوں نے شرکت کی، یہ امتحان مولانا مفتی محمد ساجد ندوی استاذ جامعہ عائشہ للبنات محمد پور نے لیا، جس میں ۳/بچے گولڈن میڈل اور ۶/بچے سلور میڈل کے مستحق قرار پائے، انشاء اللہ عنقریب ہی ان کو ایک تقریب میں انعامات سے نوازا جائے گا۔

مرکز کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد

۹/فروری ۲۰۰۸ء کو عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مقیم خانقاہ رائے پور مرکز احیاء الفکرالاسلامی تشریف لائے اور مرکز میں تعمیر ہونے والی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا، اوردعا فرمائی، اور بہت خوشی کا اظہار کیا، ان کے ہمراہ ان کے داماد جناب الحاج منشی عتیق احمد صاحب ناظم مدرسہ فیض ہدایت گلزار رحیمی اور ایک خادم حاجی نور محمد صاحب تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر حضرت تشریف لے گئے۔

مرکز میں 'یوکے' کے ایک معزز مہمان کی آمد

۱۳/فروری ۲۰۰۸ء کو جناب الحاج ابراہیم بھائی یوکے (خلیفہ حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری) ایک وفد کے ساتھ تشریف لائے اور مرکز کے تحت چلنے والے لڑکیوں کے ادارے میں انہوں نے بچیوں کا قرآن شریف اور تقریر سن کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یورپ میں اور ہمارے ملک میں اس طرح کوئی لڑکی یا عورت قرآن شریف نہیں پڑھ سکتی اور نہ ہی تقریر کرسکتی، یہی تاثر انہوں نے لڑکوں کا قرآن شریف سنتے ہوئے دیا، انہوں نے مرکز کی تعمیر جدید اور جامع مسجد کے سنگ بنیاد میں بھی شرکت کی اور بہت دعائیں دیں اور خوش ہوئے۔

وفیات

۱۰/فروری دوشنبہ ۱۱/بجے ماہنامہ نقوش اسلام کے مدیر انتظامی جناب حافظ عبدالستار صاحب عزیزی کے استاذ محترم جناب الحاج ماسٹر محمد یامین صاحب موضع گھانہ ضلع سہارنپور اپنے مالک حقیقی سے جاملے، مرحوم ایک دیندار، شریف خاندان کے فرد اور نیک صالح انسان تھے، صوم وصلوۃ کے پابند اور دینی شعائر کے احترام کرنے والے آدمی تھے، بچوں کی تربیت میں ان کو خاص ملکہ تھا، جونیئر ہائی اسکول کے بچوں کو بھی نماز کی پابندی کرواتے تھے، وہ ایک عرصے سے بیمار تھے، قارئین سے ان کے لیے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعاء کی درخواست ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نائب مہتمم جناب حضرت مولانا مفتی ظہور احمد صاحب ندوی کی اہلیہ محترمہ بی بی عائشہ خاتون کا ۱۳/جنوری ۲۰۰۸ء ۳/محرم ۱۴۲۹ھ کی شب انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ کی عمر تقریباً ۸۷/سال تھی، مرحومہ کو کافی عرصہ سے شوگر اور بلڈ پریشر کی شکایت تھی، وہ انتہائی صابر وشاکر اور ملنسار خاتون تھیں، دوسری عورتیں ان کے واسطے سے حضرت مفتی صاحب سے مسائل دینیہ معلوم کرتی تھیں، غرباء پر بے دریغ خرچ کرتی تھیں، پسماندگان میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، اللہ تعالی مفتی صاحب کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا شاہ انور نفیس الحسینی لاہوری ۵/فروری ۲۰۰۸ء کو اپنے رب حقیقی سے جاملے، مولانا مرحوم عالم ربانی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ تھے، سید احمد شہیدؒ کی تحریروں اور مخطوطات کو بڑے اہتمام اور وسیع پیمانے پر شائع کررہے تھے، اور فن خطاطی میں بڑے ماہر تھے، اس فن میں کئی ایوارڈ ملے، اللہ تعالی ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔